قیمت پانچ روپے

انٹرنیشنل
مِلّی ٹائمز
نئی دہلی

اُردو کا پہلا بین الاقوامی ہفت روزہ

SEARCH FOR A JUST POLITICAL ALTERNATIVE
MILLI PARLIAMENT'S WINTER SESSION
TO DISCUSS MUSLIM POLITICAL BILL
14-15 JANUARY, 1996
SHRI KRISHNA MEMORIAL HALL, PATNA
HOST ORGANISATION - MUNIS - PATNA

پٹنہ اجلاس کے اختتام پر
بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے نام

مِلّی فرمان جاری

RESERVED FOR S.N.M. MEMBERS ONLY SL.No. 96-109

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1,800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$ 3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

سیاسی نقار خانے میں مظلوم طوطی کی آواز کون سنے گا

رسولن بی بی کو عبدالحمید کی قربانیوں کا خراج نہیں اپنا حق چاہئے

یہ رسولن بی بی ہیں۔ ان کے معیار زندگی کو دیکھ کر یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ اس سورما کی بیوہ ہیں جس نے ۱۹۶۵ء کی ہند پاک جنگ میں پاکستان کے دو ٹینکوں کو تباہ اور تیسرے کو بھاری نقصان پہنچا کر پاکستانی فوج کی پیش قدمی روک کر جنگ کا پانسا پلٹ دیا تھا۔ جس نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر پاکستانی فوج پر یکہ وتنہا یلغار بول دی تھی جس نے وطن عزیز پر اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا تھا اور جس کا نام عبدالحمید تھا۔ جی ہاں وہی عبدالحمید جسے ویر عبدالحمید کے نام سے جانا جاتا ہے، جسے فوج کا باوقار پرم ویر چکر دیا جاچکا ہے اور تاریخ کے اوراق میں جس کی قربانی سنہرے حروف میں درج ہے۔

رسولن بی بی ایک بوسیدہ سے مکان میں رہتی ہیں۔ تصویر دیکھ کر ہی ان کے انداز رہائش کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تیس سال سے ان کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ امرتسر میں واقع اپنے شوہر کی مزار پر حاضری دیں اور سورہ فاتحہ پڑھیں۔ لیکن قربان جائیے اس حکومت پر کہ اس نے پتہ نہیں کیوں اب تک انہیں اس کی اجازت نہیں دی تھی۔ البتہ پچھلے دنوں وزیراعظم کی مداخلت پر انہیں جانے کی اجازت ملی اور وہ سورہ فاتحہ پڑھ کر واپس آئیں۔

غازی پور میں واقع ان کے آبائی گاؤں کو دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ عبدالحمید کا گاؤں ہے حالانکہ اس گاؤں کے لوگوں کو اب بھی اس پر فخر ہے کہ وہاں کے ایک نوجوان نے ملکی خدمت اور وفاداری کی ایسی مثال قائم کی ہے جو ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ حکومت نے وہاں ایک سڑک کا نام عبدالحمید کے نام پر ضرور رکھا ہے لیکن وہ اتنی خستہ حال ہے کہ اسے دیکھ کر لوگوں کو ندامت ہوتی ہے۔ رسولن بی بی کا ماہانہ گزارہ اس ایک ہزار روپے سے چلتا ہے جو انہیں پنشن کی شکل میں ملتا ہے۔ حالانکہ ان کے بیٹے اور بیٹیاں بھی ہیں اور دو بیٹے فوج میں ہیں۔ ایک ریٹائر ہوچکا ہے جب کہ ایک کانپور میں برسر روزگار ہے۔ لیکن بیٹوں نے بھی اپنی ماں کو یکہ وتنہا چھوڑ دیا ہے۔

حکومت نے وقتاً فوقتاً رسولن بی بی سے کئی وعدے کئے لیکن بہت کم پورے کئے گئے۔ سابق وزیر بلرام سنگھ نے عبدالحمید کے نام پر ایک ہیلتھ سینٹر کے قیام کا اعلان کیا تھا لیکن وہ ابھی تک اعلان ہی ہے۔ رسولن بی بی کے لئے ایک لاکھ روپے کا گووند بلبھ پنت انعام کا اعلان کیا گیا تھا وہ بھی ابھی انہیں نہیں ملا۔

رسولن بی بی اور انسیٹ میں عبدالحمید

رسولن بی بی دہلی، لکھنؤ اور دوسرے مقامات کا دورہ کرکے حکومت سے امداد کی اپیل کرتی ہیں لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

گورنر موتی لال وورا نے ان کو امداد پہنچانے کے لئے انعام کا اعلان کیا لیکن وہ ان کے داماد کے ہاتھ لگ گیا اور انہیں ابھی تک کچھ نہیں ملا۔ انہوں نے حال ہی میں دہلی میں مرکزی وزیر سبط رضی سے ملاقات کرکے اپنے بیٹے کے لئے پٹرول پمپ کی ایجنسی طلب کی لیکن اس کا ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ آخر حکومت یہ سوتیلا برتاؤ کب تک کرتی رہے گی۔ وہ اپنے شوہر عبدالحمید کی قربانیوں کا خراج نہیں بلکہ اپنا حق مانگ رہی ہیں لیکن کیا ان کا حق بھی انہیں نہیں ملے گا۔ کیا اپنی جان کا نذرانہ پیش کرکے جنگ کا پانسا پلٹ دینے والے سورما کی بیوہ کو اتنا بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ بوسیدہ مکان میں رہنے کے بجائے ایک بہتر مکان میں زندگی گزارے۔ رسولن بی بی کا شوہر اگر عبدالحمید نہ ہوکر کوئی رام چندر یا کرشن پال ہوتا تو کیا اس وقت بھی حکومت کی یہی سرد مہری ہوتی؟

مسلمانوں کی شمولیت اور جوانوں کی ذہنی تربیت کے بغیر

پی اے سی کو نئی شکل دینے کی سرکاری کوشش بے سود ہوگی

اتر پردیش حکومت نے پی اے سی کو نئی شکل وصورت دینے کا پروگرام بنایا ہے۔ حالات کے تقاضے کے تحت اسے از سر نو تیار کیا جارہا ہے اور امن وقانون کی خراب صورت حال کو قابو میں کرنے، میلوں اور مظاہروں کے دوران مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے، مساجد و مقابر اور مذہبی مقامات کے تحفظ اور مظاہروں میں خواتین کی شرکت کے بڑھتے رجحان کے پیش نظر پی اے سی کو نئے سرے سے ٹریننگ دی جارہی ہے۔ اقلیتوں کے تحفظ کے معاملے میں بھی پی اے سی کو ٹرینڈ کیا جارہا ہے۔ پی اے سی جوانوں کی فلاح وبہبود کے لئے دس لاکھ روپے کی "پی اے سی جوان رکشک ندھی" کی اسکیم بھی شروع کی جارہی ہے۔ مجموعی طور پر یوپی حکومت پی اے سی کو اس لائق بنانا چاہتی ہے کہ وہ کسی بھی قسم کی شورش کو رفع کرنے کی اہل بن جائے۔

پی اے سی کی تشکیل ۱۹۴۸ء میں ہوئی تھی اس وقت سے لے کر اب تک پی اے سی کا جو رول رہا ہے بالخصوص مسلمانوں کے تعلق سے وہ انتہائی قابل اعتراض رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کے دوران پی اے سی پر فریق بن جانے اور جانبداری برتنے کا الزام لگایا جاتا ہے جو حقیقت سے خالی نہیں ہے۔ فسادات کا تجزیہ کیا جائے تو پی اے سی کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی صورت میں مسلمانوں کے خلاف ملوث نظر آتی ہے۔ پی اے سی کے جوان فسادات میں ہندو فرقہ پرستوں کا رول انجام دینے لگتے ہیں اور وہ یہ فراموش کردیتے ہیں کہ محض سپاہی ہیں اور ان کا کام کسی فرقہ سے لڑنا نہیں بلکہ امن وقانون قائم کرنا اور شرپسند خواہ کسی بھی فرقے سے ہو، اسے قابو میں کرنا ہے۔ لیکن عموماً ایسا ہوتا نہیں ہے۔ مرادآباد کا فساد ہو یا علی گڑھ کا میرٹھ کا ہو یا کرنیل گنج کا، کسی بھی فساد کی کیس ڈائری کھول لیجئے پی اے سی جوانوں کا کردار یکطرفہ اور ان کا چہرہ مسخ نظر آئے گا۔

پی اے سی کے ایڈیشنل ڈائرکٹر جنرل رام ارون کا کہنا ہے کہ اقلیتوں کے تحفظ کی ٹریننگ دینے کے لئے پی اے سی کی دو بٹالین کو آسام میں تعینات کیا گیا ہے۔ اسی طرح احتجاجی خواتین سے نمٹنے کے لئے خواتین کی دو نئی بٹالین کی بھرتی کی جارہی ہے۔ سرحدی علاقوں میں بھی پی اے سی جوانوں کو تعینات کیا گیا ہے تاکہ وہ دراندازوں سے نمٹنے کی بھرپور تربیت حاصل کرلیں۔ انتہا پسندوں اور دہشت گردوں سے بھی نبرد آزما ہونے کی ٹریننگ دی جارہی ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا پی اے سی کے کردار کو اس طرح سدھارا جاسکتا ہے۔ پی اے سی کی فرقہ وارانہ ذہنیت کو بدلا جاسکتا ہے۔ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ پی اے سی مذہبی مقامات کے تحفظ اور فرقہ وارانہ فسادات میں جانبداری سے کام نہیں لے گی۔ کیا یوپی حکومت اور پی اے سی کے اعلیٰ افسران نے جوانوں کی ذہنی تربیت کا بھی کوئی پروگرام بنایا ہے۔ اگر نہیں تو یہ جوان ممکن ہے کہ امن و قانون کو درہم برہم کرنے والوں کے خلاف موثر کارروائی کرسکیں لیکن اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ فرقہ پرستوں کو بھی راہ راست پر لے آئیں گے اور خود ان کا رول غیر جانبدارانہ ہوگا۔

جب بھی کوئی بڑا فساد ہوتا ہے اور اس میں پی اے سی کا کردار مشکوک نظر آتا ہے تو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی جانب سے مطالبہ ہونے لگتا ہے کہ پی اے سی میں تناسب کے اعتبار سے

باقی صفحہ ۶ پر

رقاصہ کے فن پر بی جے پی فدا ہوگئی

بی جے پی کی جست فلمی اداکاروں، اداکاراؤں اور سابق ڈاکوؤں سے ہوکر اب رقاصاؤں تک پہنچ گئی ہے۔ بی جے پی نے شاید انتخابی مہم میں رائے دہندگان کو رقاصاؤں کے فن سے لطف اندوز ہونے کا موقع دینے کا بھی پروگرام بنایا ہے۔ اگر ایسا ہے تو عوام بی جے پی کے اسٹیج پر ڈانسرز کو اپنی فنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھی دیکھیں گے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد عوام کو کسی نہ کسی طرح بے وقوف بنا کر ان کے قیمتی ووٹ حاصل کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ عوام بی جے پی کی ان سطحی چالوں میں کہاں تک پھنستے ہیں۔

دلی بی جے پی نے دلی کے بازار حسن سے متصل شردھانند مارگ کی ایک رقاصہ کو اپنی ایگزیکٹیو میں ایک اہم عہدے پر فائز کیا ہے۔ یہ ہے ۳۸ سالہ چندر لکھی۔ چندر لکھی کا کہنا ہے کہ وہ ایک طویل عرصے سے سیاست میں ہے لیکن پہلی بار کسی قومی پارٹی نے اسے کوئی عہدہ دیا ہے۔ چندر لکھی کا تعلق دلی کی ایک رقاصہ کشمیری بائی سے ہے۔ کشمیری بائی کا دعوی ہے کہ اس کے تعلقات کئی اہم سیاسی شخصیات سے ہیں۔ ویسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ عوام جانتے ہیں کہ آج کل کے سیاستدانوں کا تعلق کس قسم اور کس قماش کے لوگوں سے زیادہ ہے۔ چندر لکھی کہتی ہے کہ وہ آج بھی ناچتی اور گاتی ہے لیکن اس کے کلاسیکی فن کے گرویدہ اب کم لوگ رہ گئے ہیں۔

چندر لکھی بتاتی ہے کہ وہ آگرہ سے یہاں آئی تھی لیکن اس پیشے سے اکتا کر اس نے زبیر اعظمی نامی ایک شخص سے شادی کرلی جو اس کے فن کا دلدادہ تھا۔ اس کے ساتھ وہ چودہ سال رہی لیکن زبیر کی موت کے بعد وہ پھر اپنے پرانے پیشے میں واپس آگئی۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک بار اگر کسی پر اس پیشے کا ٹھپہ لگ جائے تو یہ داغ زندگی بھر ساتھ رہتا ہے۔ چندر لکھی پانچ بچوں کی ماں ہے۔ سب سے چھوٹی بیٹی کو وہ رقص وسرود سکھا رہی ہے۔ اس کا ایک بیٹا موٹر مکینک ہے اور دو اسکول جاتے ہیں۔

بہرحال چندر لکھی کی پارٹی میں شمولیت پر اتفاق رائے نہیں ہے کچھ لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں لیکن مقامی ممبر اسمبلی بی جے پی کے ایس سی کھنڈیلوال کا کہنا ہے کہ انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے وہ بھی اس ملک کی ایک شہری ہے اور اسے بھی اس کا حق ہے۔ جب کہ دوسرے لوگ رقاصہ ہونے کی وجہ سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ خیر چندر لکھی چاندنی چوک منڈل کمیٹی کی ایگزیکٹیو کی رکن بنادی گئی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ میونسپل کارپوریشن کا الیکشن لڑے گی۔ امکان ہے کہ اس کا حسن اور فن جادو جگائیں گے اور عوام اسے ووٹ دے کر کامیاب بنادیں گے۔ چلئے اب ایسے لوگ بھی عوامی نمائندے ہوا کریں گے۔ گویا اب وہ زمانہ دور نہیں جب بی جے پی کسی طوائف کو اپنی پارٹی میں اہم عہدہ دے دے اور اسے اسمبلی یا پارلیمنٹ کا ممبر بنوا دے۔ سیاسی اقدار کے زوال کا اس سے عمدہ نمونہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

●

حوالہ اسکینڈل سے ہندوستانی سیاست میں زلزلہ

کیا نرسمہاراؤ نے دوسری پارٹیوں کے صفایا اور اپنی دوبارہ واپسی کو یقینی بنالیا ہے؟

تحریر سہیل انجم

ہندوستانی سیاستداں کتنے کرپٹ اور بدعنوان ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ حوالہ نے سب کے چہرے بے نقاب کردئے ہیں۔ سب کی صورتوں سے پارسائی کا غازہ اتر چکا ہے اور ایک بار پھر یہ عوام کو اپنا منہ دکھانے کے لائق نہیں رہ گئے ہیں۔ بوفورس کے بعد حوالہ اسکینڈل ہندوستانی سیاست کا سب سے بڑا اسکینڈل بن کر سامنے آیا ہے اور اس نے ہندوستانی سیاست میں ایک زلزلہ برپا کردیا ہے۔ بڑے بڑے اور قدآور سیاستدانوں کی ساکھ داؤ پر لگ گئی ہے۔ عام انتخابات سے عین قبل اس اسکینڈل کا منظر عام پر آنا اپنے آپ میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ انتخابات پر اس کے دوررس اثرات مرتب ہوں گے۔ اور کئی سینئر لیڈران اس کی بھینٹ چڑھ جائیں گے۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ کوئی نیا کیس ہو یا نیا اسکینڈل ہو۔ یہ ۱۹۹۱ء ہی میں منظر عام پر آیا تھا بلکہ اس سے قبل ہی سیاسی ایوانوں میں یہ موضوع گفتگو بن گیا تھا لیکن اس وقت کے حکمرانوں کے دباؤ کے نتیجے میں اسے سرد خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اس اسکینڈل میں سو سے زائد شخصیات ملوث ہیں جن میں ۶۷ سیاستداں ہیں۔ ۶۵ کروڑ روپے کی رشوت کا معاملہ ہے۔ اور سی بی آئی نے سات لیڈروں کے خلاف فرد جرم داخل کردی ہے جن میں بھاجپا کے صدر آڈوانی بھی ہیں۔ تین مرکزی وزراء، سندھیا، جاکھڑ اور وی سی شکلا کے خلاف کارروائی شروع ہونے جارہی ہے۔

سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ یہ اقدام وزیراعظم نرسمہاراؤ کے اشارے پر ہوا ہے۔ الیکشن سے قبل وہ اس معاملے کو منظر عام پر لاکر اپنے سیاسی حریفوں کو مات دینا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ الیکشن میں یا اس کے بعد ان کی قیادت کو پھر چیلنج کیا جاسکے اس لئے انہوں نے ایسے لیڈروں کو پھنسادیا ہے جو ان کے لئے خطرہ بن سکتے تھے۔ انہوں نے آڈوانی کو اس لئے اس میں شامل کرلیا تاکہ ان کے کندھے پر بندوق رکھ کر اپنی پارٹی میں پائے جانے والے مخالفین کو نشانہ بنایا جاسکے۔ اس میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ آڈوانی نے ایک بار پھر ان کی مدد کی۔ انہوں نے استعفی دے کر کانگریسی وزراء کو مستعفی ہونے کے لئے مجبور کردیا۔ جین ڈائری میں صرف انہی لوگوں کے نام نہیں ہیں بلکہ ۹ وزراء کے نام ہیں اور ابھی صرف تین کے خلاف کارروائی کی گئی ہے۔ ضرورت پڑنے پر بقیہ کو بھی قربانی کا بکرا بنانے میں راؤ نہیں جھجکیں گے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس سے نرسمہاراؤ نے اپنے مخالفین کے پر کتر دئے ہیں اور وہ کانگریس پارٹی کے بلاشرکت غیرے لیڈر بن کر ابھرنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اگر اس کیس کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس کے اثرات سے راؤ بھی محفوظ نہیں رہیں گے اور اگر انہوں نے اپنے مخالفین کی سیاسی چتائیں تیار کی ہیں تو ان کی آنچ ان تک بھی پہنچے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ آنچ ابھی نہیں محسوس ہورہی ہے لیکن الیکشن آتے آتے اس آنچ میں راؤ کا جھلس جانا یقینی ہے۔ انہوں نے جن لیڈروں کو کنارے کرنے کے لئے ترپ کا پتہ چلاہے وہ لوگ انہیں بھی نہیں بخشیں گے اور اس کا قوی امکان ہے کہ الیکشن سے قبل راؤ کے خلاف ایک زبردست بغاوت ہو جو انہیں لے ڈوبے گی۔ راؤ نے کھیل بہت خطرناک کھیلا ہے لیکن وہ اس کو فراموش کرگئے کہ اس کھیل میں وہ خود بھی پھنس سکتے ہیں۔ بی جے پی کے لیڈروں نے ان پر الزام لگایا ہے کہ انہوں نے بھی جین سے تین کروڑ روپے لئے ہیں۔ کانگریس ترجمان نے اس کی تردید کی ہے لیکن سی بی آئی یا راؤ نے اس کی تردید نہیں کی ہے۔ مدن لال کھورانہ نے بھی الزام لگایا ہے کہ راؤ کا نام بھی جین ڈائری میں درج ہے ایسی صورت میں ان کے خلاف بھی کارروائی ہونی چاہئے۔ اس سے قبل ہرشد مہتہ نے بھی ان پر رشوت خوری کا الزام لگایا تھا لیکن اس میں راؤ صاف بچ گئے تھے کیا اس الزام کو بھی وہ اسی طرح بے اثر بنا دیں گے کہا نہیں جاسکتا۔ اب نہ صرف اپوزیشن کی جانب سے بلکہ خود کانگریس کے اندر سے بھی راؤ پر انگشت نمائی ہونے لگی ہے اور سبھی ڈھکے چھپے انداز میں کہنے لگے ہیں کہ اس کارروائی کے پس پردہ راؤ کا ہاتھ ہے۔ حالانکہ سی بی آئی نے کہا ہے کہ اس کے پیچھے کوئی سیاسی محرک نہیں تھا لیکن یہ بات کسی کے گلے نہیں اتر رہی ہے۔

بہرحال اس معاملے نے جہاں بی جے پی کی ساکھ کو خراب کیا ہے وہیں راؤ کی امیج بھی داغدار ہوئی ہے۔ بہت کم پارٹیاں ایسی ہیں جن کے کسی لیڈر نے رشوت نہ لی ہو۔ ویسے سی بی آئی نے بھی امتیاز سے کام لیا ہے۔ جب جین ڈائری میں ۱۰۶ افراد کے نام درج ہیں تو کارروائی چند سیاستدانوں کے خلاف کیوں ہورہی ہے سی بی آئی نے "امتیازی" انداز اپناکر کچھ کو پھنسا دیا ہے بقیہ کو چھوڑ دیا ہے۔ یہ صورت حال بھی شکوک وشبہات کی دیوار کھڑی کرتی ہے۔ سب سے زیادہ روپیہ راجیو گاندھی نے دو کروڑ لیا تھا۔ ان کی بیوہ سونیا سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ ہوسکتی ہے۔ ایسے نہ جانے کتنے سوالات ہیں جو اس پورے معاملے کو مشکوک بنا رہے ہیں۔

بہرحال آئندہ چند دنوں اور چند ہفتوں میں اس کے دوررس اثرات ظاہر ہونے لگیں گے دیکھنا یہ ہے کہ عام انتخابات میں اس کے اثرات کب اور کیسے مرتب ہوتے ہیں۔

> اگر انہوں نے اپنے مخالفین کی سیاسی چتائیں تیار کی ہیں تو ان کی آنچ ان تک بھی پہنچے گی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ آنچ ابھی نہیں محسوس ہورہی ہے لیکن الیکشن آتے آتے اس آنچ میں راؤ کا جھلس جانا یقینی ہے

ایک ڈائری جس نے بدعنوان سیاستدانوں کے چہرے بے نقاب کردیئے

دہشت گردوں سے مبینہ طور پر تعلق رکھنے والے دو افراد کی گرفتاری اور اس کے بعد ایک ڈائری کی برآمدگی یوں تو کوئی بہت اہم خبر نہیں ہے لیکن اگر یہ ڈائری ایس کے جین کی ہو تو سرکردہ سیاستدانوں اور افسروں کی نیند حرام کرسکتی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں برآمد ہوئی یہ ڈائری حوالہ اسکینڈل کا محور بن گئی ہے اور کئی قدآور سیاستدانوں کے لئے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی ہے سی بی آئی کے پاس بوفورس کے بعد یہ سب سے بڑا معاملہ آیا ہے۔ اور اس کا دائرہ بہت وسیع ہے اس دائرے میں کئی پارٹیوں کے سیاستدانوں کے چہرے بے نقاب ہوئے ہیں اور تقریباً ہر پارٹی کا دامن داغدار ہوگیا ہے۔ اس ڈائری میں جن ہستیوں کو ادائگی کی گئی دکھائی گئی ہے ان میں کچھ سابق وزراء اعظم کچھ مرکزی وزراء، کچھ سابق وزراء، ایک سیاسی پارٹی کے دو صدور اور بہت سے افسر شامل ہیں۔

پانچ سال قبل اس ڈائری کی برآمدگی کے معاملے کو کسی نے سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ سی بی آئی نے اسے خاموشی سے پی لیا تھا۔ حالانکہ اس میں درج اطلاعات انتہائی دھماکہ خیز تھیں۔

> اگر یہ ڈائری ایس کے جین کی ہو تو سرکردہ سیاستدانوں اور افسروں کی نیند حرام کرسکتی ہے۔ ۱۹۹۱ء میں برآمد ہوئی یہ ڈائری حوالہ اسکینڈل کا محور بن گئی ہے اور کئی قدآور سیاستدانوں کے لئے خطرے کی گھنٹی بج اٹھی ہے

اب جاکر اس معاملے پر سے اسرار و رموز کے پردے ہٹ رہے ہیں اور اس کی سب سے بڑی وجہ عدالتی دباؤ ہے۔ سی بی آئی کو یہ ڈائری اچانک مل گئی تھی۔ ۲۵ مارچ ۱۹۹۱ء کو دہلی کی جامع مسجد پولیس نے ایک مشتبہ شخص اشفاق حسین کو گرفتار کیا اس کا ایک ساتھی شہاب الدین عوری جے این یو سے پکڑا گیا جو وہاں سے ریسرچ کررہا تھا۔ پوچھ گچھ کے بعد پولیس نے اس سے ۱۵

لاکھ روپے کے ڈرافٹ برآمد کئے۔ یہ ڈرافٹ سری نگر کے کچھ لوگوں اور کمپنیوں کے نام جاری کئے گئے تھے۔ پولیس نے پوری تفصیل سی بی آئی کی ٹاڈا اکائی کو سونپ دی۔ دونوں گرفتار شدگان نے سی بی آئی کے سامنے اقبال جرم کرلیا۔ انہوں نے بتایا کہ شمبھو دیال شرما نامی ایک شخص سے انہیں پیسہ مل رہا تھا جو جموں کشمیر کے جنگجوؤں کو پہنچایا جاتا تھا۔ کچھ دن بعد سی بی آئی نے شرما کو بھی گرفتار کرلیا۔

شرما نے بتایا کہ وہ دہلی کے کنہیں جین برادران، بمبئی کے مول چند شاہ اور لندن کی موہنی جین کے لئے کام کرتا ہے۔ جین برادران شاید دہلی کے سب سے بڑے حوالہ کاروباری ہیں۔ مول چند شاہ بمبئی کا جانا مانا نام ہے۔ وہیں موہنی جین برطانیہ میں دونوں کو اپنی خدمات مہیا کراتی ہیں۔ شرما کے مطابق اس کے مالکان فون پر ہدایات دیتے تھے کہ اسے کہاں سے پیسہ لانا ہے اور کس کو دینا ہے۔ کروڑوں روپے کے سالانہ لین دین میں اسے کمیشن ملتا تھا۔ جب اس پر دباؤ پڑا تو اس نے جنوبی دہلی کے جے کے جین کا نام اگل دیا۔ سی بی آئی نے جین کے ٹھکانوں پر چھاپہ مارا۔ جس میں ۵۲ لاکھ روپے اور ایک ڈائری برآمد ہوئی۔ یہی ڈائری جین ڈائری کے نام سے مشہور ہوئی۔ جس میں لیڈروں اور افسر شاہوں کے نام درج ہیں۔

جے کے جین نے سی بی آئی کو بتایا کہ وہ ایس کے جین کا رشتے کا بھائی ہے۔ ایس کے جین دہلی اور رائے پور میں ایک کمپنی گروپ چلاتا ہے۔ وہ صنعت کار ہونے کے ساتھ ساتھ حوالہ کا بھی کام کرتا ہے اور ہندوستان میں بجلی کے شعبے کی کئی بین الاقوامی کمپنیوں کی نمائندگی بھی کرتا ہے۔ وہ بھلائی انجینئرنگ کارپوریشن لمیٹڈ کا مالک بھی ہے۔ اس کے بعد سی بی آئی نے دہلی اور بمبئی میں ایک ساتھ دس ٹھکانوں پر چھاپے مار کر شمبھو دیال شرما، مول چند شاہ، تند

باقی ص ۸ پر

دنیا بھر کی مسلم تنظیموں کی ایک کمیٹی بنانے پر غور

۴۰ سے زائد مسلم ملکوں نے اشاعت اسلام کا بیڑہ اٹھایا

سیاسی سطح پر انتشار کی شکار امت مسلمہ کم از کم اشاعت اسلام کے موضوع پر متفق نظر آتی ہے۔ حال ہی میں ملیشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں منعقدہ ایک اجتماع میں چالیس سے زائد مسلم ممالک کے نمائندوں نے یہ عہد کیا ہے کہ اشاعت اسلام کو پرامن طریقوں سے آگے بڑھایا جائے۔ ۱۵ جنوری کو اس کانفرنس کا اختتامی دن تھا۔ کانفرنس کا اہتمام اسلامی کانفرنس تنظیم نے کیا تھا اور اس کا آغاز ملیشیائی وزیر اعظم مہاتر محمد کی ایک زبردست تقریر سے ۱۲ جنوری بروز جمعہ ہوا تھا۔ کانفرنس میں چالیس سے زائد مسلم ممالک اور بہت سی اسلامی تنظیموں کے نمائندے شامل تھے۔ شرکاء کانفرنس نے اتفاق رائے سے ملیشیا پر یہ ذمہ داری ڈالی کہ اشاعت اسلام کے مقصد کے حصول کے لئے لائحہ عمل تیار کرے۔ سمجھا جاتا ہے کہ اس ضمن میں ملیشیا دنیا بھر میں پھیلی ہوئی مسلم تنظیموں پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو لائحہ عمل سے متعلق تمام تفصیلات پر مشتمل ایک رپورٹ اسلامی کانفرنس تنظیم کو پیش کرے گی۔

اس کانفرنس میں سو سے زائد مذہبی رہنماؤں کے علاوہ مختلف مسلم حکومتوں کے نمائندوں اور سرکاری و غیر سرکاری جماعتوں کے مندوبین نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس نے مسلم ممالک بالخصوص سنٹرل ایشیا اور بلقان میں مسلمانوں کے مذہبی، ثقافتی اور تعلیمی اداروں کو مستحکم بنانے پر زور دیا۔

Prime Minister Mahathir and Anwar at last week's

۱۲ جنوری کو کانفرنس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعظم مہاتر محمد نے کہا کہ اس وقت اسلامی ممالک کے درمیان اتحاد و تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مسلم دنیا سے باہمی نفاق، آپس کی لڑائی اور دنگا فساد ختم ہونا چاہئے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ آج مسلم دنیا پریشانیوں میں مبتلا ہے۔ مسلم ممالک اس قدر کمزور ہیں کہ وہ خود اپنا دفاع نہیں کر سکتے اور اکثر ان ممالک سے مدد کے خواستگار ہوتے ہیں جن کے ارادوں پر انہیں شبہ ہے۔ اسی طرح مسلم دنیا میں چاروں طرف غربت پھیلی ہوئی ہے اور مسلمان اس علم اور تکنیک سے کوسوں دور ہیں جو انہیں موجودہ جدید دنیا میں غلبہ دلاسکتے ہیں۔ مہاتر کے درج ذیل الفاظ خاص طور سے قابل ذکر تھے۔ "غربت ایمان کو تباہ کر دیتی ہے مگر ہم اس ضمن میں کچھ نہیں کرتے اور غربت کو تقوی سے جوڑ دیتے ہیں۔" انہوں نے سوال کیا کہ کیا مسلمان ایسی صورت میں دوسروں کو یقین دلاسکتے ہیں کہ اسلام ایک سچا راستہ ہے جبکہ مسلم ممالک کمزور ہیں اور اپنی بقا کے لئے اسلامی اخوت کو بھی داؤ پر لگانے کے لئے تیار ہیں۔ ان کے بقول "الفاظ یقین دلانے والے ہو سکتے ہیں لیکن ان کے بالکل برعکس اعمال اور اپنی ناکامیوں کی روشنی میں کیا ہم خود کو اور دوسروں کو یقین دلانے کی پوزیشن میں ہیں"؟

مسلم دنیا کے بعض علاقوں پر غاصبوں کے قبضے کا ذکر کرتے ہوئے مہاتر محمد نے کہا کہ "کیا یہی اسلام کی خوبی ہے کہ ہم اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد بھی نہیں کر سکتے۔ مہاتر نے ان حالات میں مسلم دنیا سے بیدار ہونے کی اپیل کی کہ مسلمانوں کو زیادہ متقی بنانے کے ساتھ ہمیں ان مسلمانوں کی مدد بھی کرنی چاہئے جو کسی استحصالی نظام کے اندر کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مقبوضہ علاقوں میں رہنے والے یا غیر مسلم ممالک میں پناہ چاہنے والے بہت سے مسلمان ایمان و اسلام چھوڑ کر دوسرے مذاہب اختیار کر رہے ہیں۔ مہاتر کے بقول اس رجحان کو روکنے کی ضرورت ہے۔

مہاتر کی زبردست تقریر نے کانفرنس کا رخ متعین کرنے میں مدد دی اور ان کے بعد تمام ہی مقررین نے کم و بیش اسی انداز میں تقریریں کیں۔ کانفرنس کے اختتام پر بظاہر ایسا لگا کہ اب مسلم دنیا اشاعت اسلام کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ لیکن کیا فی الواقع عملاً بھی ایسا ہو گا یہ کہنا بہت مشکل ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی قبل از وقت ہو گا کہ اشاعت اسلام پر مسلم ممالک کا اتفاق امت کے سیاسی اتحاد کی راہ ہموار کرنے میں مددگار ہو سکتا ہے۔ •

قذافی نے لاکھوں غیر ملکیوں کو لیبیا چھوڑ دینے کا حکم جاری کر دیا

لیبیا کے ساٹھ لاکھ باشندوں میں تقریباً ہر تیسرا شخص غیر ملکی ہے۔ دراصل وہاں ۲۵ لاکھ کے قریب غیر ملکی باشندے کام کرتے ہیں جن میں دس لاکھ کے قریب صرف مصر سے آئے ہیں۔ گذشتہ ستمبر سے حکومت ایک پروگرام کے تحت غیر ملکیوں کو ملک سے باہر نکالنے میں مصروف ہے۔ اکثر حکومت کے ایجنٹ غیر ملکی باشندوں کو ان کے گھروں سے نکال کر صحرا میں عارضی طور سے بنائے گئے کیمپوں میں منتقل کر دیتے ہیں تاکہ انہیں ان کے وطن واپس بھیجا جا سکے۔

سب سے پہلے تقریباً تیس ہزار کے قریب فلسطینیوں کو ملک سے نکل جانے کا حکم ملا تھا۔ اس کا مقصد بظاہر اسرائیل۔ پی ایل او معاہدے کے نقائص کو واشگاف کرنا تھا۔ (اس سے متعلق رپورٹ ملی ٹائمز کے کسی شمارے میں شائع ہو چکی ہے) اس حکم کے بعد ہزاروں فلسطینیوں کو کیمپوں میں قیام کرنا پڑا تھا جن میں سے بہتوں کے پاس جائز سفری کاغذات نہیں تھے جس کی وجہ سے انہیں بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں کو تکلیف دینے کے بعد قذافی نے ایک دوسرے حکم کے ذریعے بقیہ فلسطینیوں کو ملک میں رہنے کی اجازت دے دی۔

لیکن افریقی ممالک سے آئے ہوئے ورکروں کو حکومت بدستور واپس بھیجتی رہی۔ قذافی خاص طور سے سوڈان اور چاڈ کے ورکروں کو بھیجنا چاہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کی واپسی کے بعد جو نوکریاں خالی ہوں گی ان پر لیبیائی باشندوں کا تقرر ہو گا۔ واضح رہے اس وقت لیبیا میں بے روزگاری تقریباً تیس فیصد ہے۔ قذافی کے ہمنوا یہ بھی کہتے ہیں کہ غیر ملکیوں نے بے شمار مکانات پر قبضہ کر رکھا ہے جن کی خود لیبیائی باشندوں کو ضرورت ہے۔

> قذافی خاص طور سے سوڈانی باشندوں کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ تقریباً پانچ لاکھ سوڈانی لیبیا میں کام کرتے ہیں اور بہتوں کے پاس جائز سفری دستاویز نہیں ہیں۔ سوڈانیوں پر قذافی کا الزام ہے کہ لیبیا میں اسلامی انقلابیت کو فروغ دے رہے ہیں۔

قذافی خاص طور سے سوڈانی باشندوں کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔ تقریباً پانچ لاکھ سوڈانی لیبیا میں کام کرتے ہیں اور بہتوں کے پاس جائز سفری دستاویز نہیں ہیں۔ سوڈانیوں پر قذافی کا الزام ہے کہ وہ لیبیا میں اسلامی انقلابیت کو فروغ دے رہے ہیں۔ واضح رہے کہ گذشتہ دنوں بنغازی میں پولیس اور اسلامی انقلابیوں کے درمیان جھڑپیں ہو چکی ہیں۔ سوڈان کے بعد چاڈ دوسرا ملک ہے جس کے باشندے قذافی کے عتاب کا شکار ہیں۔ تقریباً تین لاکھ چاڈ کے باشندے لیبیا میں کام کرتے ہیں۔

اپنے اس اقدام کے ذریعے کرنل قذافی دنیا کی توجہ اس امر کی طرف کرانا چاہتے تھے کہ ان کے ملک کے خلاف اقوام متحدہ نے ہوائی پابندی لگا رکھی ہے۔ انہوں نے درخواست کی کہ یہ پابندیاں ہٹالی جائیں تاکہ نکالے جانے والے مزدوروں کو زیادہ بہتر انسانی انداز میں ان کے ملکوں کو پہنچانے میں مدد دی جا سکے۔ کرنل قذافی اپنے ملک کے خلاف عائد ہوائی پابندی کو خراب معیشت کے لئے ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

کرنل قذافی کم از کم دس لاکھ غیر ملکیوں کو نکالنا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا وہ واقعی ایسا کر سکیں گے۔ ایسا انہوں نے پہلے بھی کرنے کی کوشش کی لیکن پھر اپنے ارادے سے باز آگئے۔ کیونکہ اتنی بڑی تعداد میں غیر ملکی مزدوروں کو نکالنے کے بعد وہ ملک کا نظم و نسق نہیں چلا پائیں گے۔ لیکن اس بار قذافی پہلے کی بہ نسبت زیادہ سنجیدہ نظر آتے ہیں۔ سوڈانی حکومت کا دعوی ہے کہ اب تک ۷۰ ہزار سوڈانی واپس آچکے ہیں اور فروری کے اختتام تک مزید دو لاکھ واپس آجائیں گے۔ پانچ سے دس ہزار کے قریب مصری باشندے بھی واپس بھیجے گئے تھے مگر پھر حسنی مبارک کے اس وعدے کے بعد کہ وہ لیبیا سے پابندی ہٹانے کے لئے مزید سرگرمی سے کوشش کریں گے، ان کا اخراج روک دیا گیا۔ کرنل قذافی اس قسم کی ڈپلومیسی کرتے رہے ہیں۔ موریطانیہ نے جب اسرائیل سے گفتگو کرنا چاہا تو لیبیا نے اس کے دس ہزار باشندوں کو ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا۔ اگر اسرائیل اور موریطانیہ کے درمیان کسی قسم کا معاہدہ ہوتا ہے تو کرنل بلاشبہ اپنی دھمکی پر عمل کریں گے۔ کیوں کہ اسرائیل دشمنی میں وہ دوسروں سے کہیں آگے ہیں۔ کیونکہ وہ اسے ایک دہشت گرد اور عرب دشمن ریاست کہتے ہیں۔ کم از کم اس معاملے میں قذافی حق بجانب ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ قذافی نے تقریباً ۸ ہزار عراقیوں کو حال ہی میں روزگار سے لگایا ہے۔ ان میں سے اکثر تعلیم کے شعبے سے وابستہ ہوئے ہیں جہاں فلسطینیوں کے اخراج کے بعد ایک خلا پیدا ہو گیا تھا۔ اسی طرح بعض دوسرے غیر ملکیوں کا بھی کھلے دل سے استقبال کیا جاتا ہے۔ روسی ماہرین، سائنسدانوں اور دوسرے اہل افراد خاص طور سے مقبول ہیں۔ حال ہی میں قذافی نے ایسے ماہرین اور سائنسدانوں کی تنخواہیں بڑھانے کے علاوہ انہیں شہریت دینے کی بھی پیش کش کی ہے۔ •

فلسطین کے انتخابی تناظر میں

کیا عرفات ایک اچھے جمہوری حکمراں ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے

یہ اخبار جس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہو گا اس وقت تک ۲۰ جنوری ۱۹۹۶ء کو ہونے والے فلسطینی انتخابات کے نتائج آچکے ہوں گے۔ اوسلو معاہدے کے مطابق یہ انتخابات بہت پہلے ہوجانے چاہئے تھے مگر ٹائم ٹیبل کے مطابق امن معاہدے پر عمل درآمد نہ ہو پانے کی وجہ سے ان میں سال بھر سے زائد عرصے کی تاخیر ہوئی انتخابات محدود فلسطینی اتھارٹی کے چیرمین اور ۸۰ رکنی مجلس کے لئے ہورہے ہیں۔ حماس اور بائیں بازو کی بعض مشہور پارٹیاں انتخابات کا بائیکاٹ کر رہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ان انتخابات سے آزادی فلسطین کے حتمی مقصد اور کاز کو نقصان پہنچے گا۔ دراصل حماس اور پی ایل او میں شامل بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے افراد اور جماعتیں مثلاً جارج حبش اور نائف وغیرہ سرے سے اوسلو معاہدے ہی کے مخالف ہیں۔ ان جماعتوں میں اصل اپوزیشن جماعت اسلام پسند حماس ہے۔ انتخابات کو حقیقی بنانے کے لئے عرفات اور ان کے ہمنوا مصر نے بہت کوشش کی کہ الفتح اور حماس کے درمیان کسی قسم کا سمجھوتہ ہوجائے مگر ایسا ممکن نہ ہوسکا۔ حماس نے بائیکاٹ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

اس کے دوچار ممبر بغاوت کرکے آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب میں حصہ لے رہے ہیں لیکن بحیثیت مجموعی حماس انتخابی عمل سے باہر ہے۔ مگر حماس نے اپنے ممبروں پر ووٹ نہ ڈالنے یا انتخابی عمل میں رکاوٹ ڈالنے جیسے احکامات بھی جاری نہیں کئے ہیں۔ البتہ اس دوران اس نے اور دوسری ہم خیال جماعتوں مثلاً الجہاد وغیرہ نے حال ہی میں اسرائیلی ایجنٹوں کے ذریعہ قتل کئے گئے شہید ایاش کی یادگار میں ریلیاں نکالیں۔ غزہ میں ایک ریلی میں ڈیڑھ لاکھ لوگوں نے شرکت کی۔ اس کے برعکس عرفات کے انتخابی اجتماعات میں تعداد سینکڑوں اور ہزاروں میں ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عرفات انتخاب ہار جائیں گے۔ بلاشبہ فلسطینیوں کی ایک معمولی اکثریت انہیں ایک موقع دینا چاہتی ہے۔ ان میں سے بھی اکثر حماس کے اس خیال سے متفق ہیں کہ اوسلو معاہدہ ناقص ہے لیکن وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ حالات میں اس سے زیادہ ملنے والا نہیں تھا۔

مدت دراز سے بچوں اور غرباء میں سماجی کام میں مصروف ہیں اور ہر فلسطینی ان کے نام اور چہرے سے واقف ہے۔ وہ اوسلو معاہدے کی مخالف تو نہیں البتہ عرفات کے طرز حکومت کو آمرانہ کہہ کر تنقید کرتی ہیں۔ فلسطینی انہیں محبت وعقیدت سے خالہ کہتے ہیں۔ اس بات کا امکان ہے کہ حماس اور دوسری اپوزیشن جماعتوں کے حمایتی انہیں کے حق میں ووٹ ڈالیں۔ چونکہ حماس نے صرف انتخاب میں اپنے امیدوار نہ کھڑے کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس لئے اس کے حمایتی ووٹ ڈالنے کے لئے آزاد ہیں۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ یہ لوگ موصوفہ کو ہی ووٹ دیں گے۔

انتخابات میں متوقع کامیابی کے بعد عرفات

> پی ایل او کے دور ہی سے عرفات کا طرز عمل اچھا خاصا آمرانہ رہا ہے "مقبوضہ علاقوں" میں اپنی اٹھارہ سالہ حکمرانی سے بھی انہوں نے یہی ثابت کیا ہے۔ وہ کبھی اپوزیشن کو برداشت کرنے والے نہیں تصور کئے گئے۔ وہ اپنی تعریف اور خوش آمد کے قائل ہیں۔

اپوزیشن جماعتوں بالخصوص حماس کے انتخابی عمل سے باہر ہوجانے کے بعد میدان عرفات اور ان کے حامیوں کے لئے تقریباً خالی ہے۔ عرفات کے مقابلے میں ایک مشہور سوشل ورکر سمیحہ خلیل میدان میں اتری ہیں۔ وہ

کو ایک طرح سے عوامی تائید حاصل ہوجائے گی۔ لیکن گذشتہ دو سالوں میں انہوں نے جس انداز سے کاروبار حکومت چلایا ہے اس سے ذہنوں میں شبہات جنم لے رہے ہیں۔ پہلے بھی ایسے بے شمار لوگ تھے جو انہیں گوریلا لیڈر کہہ کر حکمرانی کے لئے نااہل سمجھتے تھے۔ ان کے دوسالہ انداز حکومت کو دیکھ کر ایسے ناقدوں کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگیا ہے۔ ۲۰ جنوری کو متوقع انتخابات میں ان کی کامیابی کے بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہے بلکہ ایسے ناقدین سوال یہ کر رہے ہیں کہ کیا عرفات ایک اچھی حکومت فراہم کرسکتے ہیں؟

عرفات کی زندگی کا آغاز، خود ان کے بقول غازہ پٹی میں ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ ۶۷ سال قبل وہ غزہ پٹی میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر ان کے بعض مغربی سوانح نگار کہتے ہیں کہ وہ قاہرہ میں مقیم ایک فلسطینی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ سچ کچھ بھی ہو یہ طے ہے کہ ۱۹۴۸ء میں وہ غزہ میں تھے اور اسرائیل کے خلاف گوریلا کارروائیوں میں حصہ لیا۔ اسرائیلی فوج اور سیکرٹ پولیس ان کی تلاش میں تھی لیکن وہ ہمیشہ ایک چھلاوہ ثابت ہوئے۔

باقی صفحہ ۱۶ پر

چیچن مجاہدین نے یلتسن کی سیاسی قبر کھود دی

تقریباً سات ماہ قبل چیچنیا کے ایک مقبول عام گوریلا لیڈر شامل بسائیف نے روس کے اندر ایک آبادی پر کامیاب حملہ کرکے سینکڑوں لوگوں کو یرغمال بنالیا تھا۔ اس وقت روس نے جھک کر بسائیف سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کے مطابق بسائیف اور ان کے ساتھیوں کو جنوبی چیچنیا کے پہاڑوں میں جاکر گم ہوجانے دیا گیا تھا۔ اس وقت سے روسی فوج بسائیف کی تلاش میں سرگرداں ہے مگر انہیں گرفتار کرنے میں ناکام رہی ہے۔

۹ جنوری ۱۹۹۶ء کو جوہر دودائیف کے داماد اور حال ہی میں شہرت پانے والے گوریلا لیڈر سلمان رادوئیف نے روس کے علاقے داغستان کے ایک چھوٹے سے شہر قزلیار پر اچانک دھاوا بول کر قبضہ کرلیا۔ اس حملے میں ۳۵ روسی مارے گئے۔ بعد میں سلمان نے دو ہزار لوگوں کو یرغمال بنالیا اور دھمکی دی کہ روس ان لوگوں کی جان بچانے کے لئے چیچنیا کی آزادی کو تسلیم کرے اور اپنی فوجیں وہاں سے واپس بلالے۔ لیکن رادوئیف نے بعد میں سیاسی مطالبات کو ہٹاکر صرف یہ مطالبہ کردیا کہ اسے اور اس کے گوریلاؤں کو بہ حفاظت چیچنیا جانے کی اجازت دی جائے۔ طویل مذاکرات کے بعد طے ہوا کہ عام لوگوں کو چھوڑ کر چیچن گوریلا صرف ان لوگوں کو یرغمال بناکر لے جائیں جو اس کے لئے رضاکارانہ طور سے تیار ہوجائیں۔ چنانچہ سو سے کچھ زیادہ افراد، جن میں پچاس کے قریب روسی فوجی تھے یرغمال بننے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس طرح مسلمان رادوئیف کا کارواں چیچنیا کی طرف روانہ ہوگیا۔

لیکن چیچن گوریلاؤں کو داغستان و چیچنیا کی سرحد کے قریب ایک داغستانی (روسی) گاؤں کے پاس روسی فوجوں نے محاصرے میں لے لیا۔ یہ صریحاً طے پائے معاہدے کی خلاف ورزی تھی۔ سلمان، جس کے ساتھ دو سو کے قریب گوریلا موجود ہیں، گاؤں پر قبضہ کرلیا۔ روسی فوج نے مطالبہ شروع کردیا کہ چیچن یرغمالوں کو چھوڑ دیں جسے سلمان نے رد کردیا۔ روس نے کئی الٹی میٹم جاری کئے مگر چیچن مجاہدوں نے ان کی پرواہ نہ کی۔ بالآخر روس نے پندرہ جنوری کو یہ الزام لگاکر کہ گوریلاؤں نے درجنوں یرغمالوں کو قتل کردیا ہے، گاؤں پر ہیلی کاپٹر گن شپ اور دوسرے بڑے ہتھیاروں سے حملہ کردیا۔ کئی دن تک زبردست جنگ جاری رہی۔ روس نے ہمیشہ کی طرح متضاد دعوے کرنے شروع کردئے۔ آخری دعوی یہ تھا کہ ۸۴ یرغمال رہا کرالئے گئے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر درجنوں یرغمالیوں کے قتل کی بات غلط ثابت ہوتی ہے جسے بنیاد بناکر حملہ کیا گیا تھا۔

آئندہ جون میں روس میں صدارتی انتخابات ہونے ہیں۔ صدر یلتسن فروری میں فیصلہ کریں گے کہ آیا وہ ان انتخابات میں حصہ لیں کے یا نہیں۔ ظاہر ہے دسمبر کے پارلیمانی انتخابات میں ان کی پارٹی کو زبردست شکست ہوئی تھی جس سے ان کی مقبولیت میں کافی کمی ہوئی ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر چیچن گوریلا اس بار بھی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو اس سے ان کی کمزوری ظاہر ہوگی اور عوام یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ ان کے دور میں انہیں تحفظ حاصل نہیں ہے۔ ظاہر ہے یلتسن کو یہ بھی اندازہ رہا ہوگا کہ فوجی کارروائی کے دوران اگر زیادہ فوجی ہلاک ہوتے اور یرغمالی مارے جاتے ہیں تو اس سے بھی انہیں سیاسی نقصان پہنچے گا۔ اسی نقصان کے امکان کو ختم کرنے کے لئے انہوں نے یہ خبر اڑائی کہ گوریلاؤں نے یرغمالیوں کو قتل کرنا شروع کردیا تھا۔ ظاہر ہے یلتسن کی دلیل کے مطابق اس صورت میں فوجی حملے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

باقی صفحہ ۱۶ پر

شراب وشباب کی لعنت، جسم فروشی اور منشیات کی تجارت اور مغربی فیشن کی حکومت

جی ہاں! یہ اسلامی جمہوریۂ پاکستان ہے؟

پاکستان پہنچ کر کسی غیر ملکی سیاح کا یہ بھرم ٹوٹنے میں زیادہ دیر نہیں لگی کہ یہ وہی ملک ہے جہاں شراب نوشی قانونا ممنوع ہے اور جہاں خواتین بغیر برقع کے باہر نکلنے کا تصور نہیں کر سکتیں۔ سچ تو یہ ہے کہ شراب کی محفلیں بھی خوب جمتی ہیں اور پردہ یا برقع بھی اکا دکا دقیانوسی عورتوں کے سر پر ہی نظر آتا ہے۔ اسلامی روایات و اقدار کو بظاہر چیلنج کئے بغیر پاکستانی عوام درپردہ عیش و مستی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کے بعد کے زمانے میں ابھرنے والے ف نودولتیے طبقے کے ساتھ شراب اور منشیات کی تجارت، مقامی فحش فلموں کی صنعت اور جسم فروشی کے رجحان کو کافی تقویت ملی۔ اس کے علاوہ لاہور کی فلم انڈسٹری کے عروج نے اس اسلامی ریپبلک میں سنہ دراز ہیروئنوں، رقاصاؤں اور ویلنوں کے

جنرل ضیاء الحق کے بعد کے زمانے میں ابھرنے والے نودولتیے کے طبقے کے ساتھ شراب اور منشیات کی تجارت، مقامی فحش فلموں کی صنعت اور جسم فروشی کے رجحان کو کافی تقویت ملی۔

قد آدم پوسٹروں سے جا بجا آراستہ کر دیا ہے۔

کراچی میں تعیش پسندی کے اس بڑھتے ہوئے رجحان کا سبب شاید یہ ہے کہ وہاں خانہ جنگی جیسی صورت حال ہے جس نے لوگوں کو گھروں میں مقید رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ لیکن تعیش کے انداز پر نظر ڈالتے ہیں تو اس خیال کی نفی ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک معزز شہری نے "بیچ پارٹی" (ساحل سمندر پر پارٹی) کا اہتمام کیا تو اس کے تمام تر لوازم اور مخصوص لباس وغیرہ لندن سے منگوائے گئے اور اس میں مدعو مہمانوں نے پارٹی میں شرکت کی غرض سے دبئی جاکر خریداری کی۔ اس پارٹی میں آؤٹ ڈور میکدہ ہی نہیں بلکہ ایک وسیع ڈانس فلور بھی تیار کروایا گیا تھا۔ ایسی پارٹیاں اب عام ہیں جن میں جوان عورتیں اور لڑکیاں کندھے سے لٹکے ہوئے لباس، منی اسکرٹ اور کھلی پیٹھ والی چولی پہن کر جاتی ہیں۔ کوئی پارٹی گیارہ بجے رات سے پہلے شروع نہیں ہوتی۔ ان میں شریک لڑکے اور لڑکیوں کے والدین بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ نوجوانوں کو تفریح کی ضرورت ہے اس لئے وہ رات کو تاخیر سے گھر واپسی پر معترض نہیں ہوتے۔

مغربی طرز کے ڈیپارٹمنٹل اسٹور تو عاشقوں کی ملاقات اور چہرے دیکھنے اور دیکھے جانے کے مرکز کا کام بھی کر رہے ہیں۔

حالانکہ متمول طبقے کے افراد گھر سے باہر رہنے کے اوقات میں عام لباس میں رہتے ہیں ان کی روزمرہ زندگی میں اسلام کی کوئی اہمیت شاید ہی ہے۔ متمول اور معزز طبقہ اگر پس دیوار داد عیش دیتا ہے تو جس عوامی طبقے کو ہم قدامت پسند سمجھتے ہیں وہ بھی درحقیقت خاصا زندہ دل ہے اور کھانے پینے کا شوقین ہے چنانچہ روایتی کھانوں کے ہوٹلوں اور ڈھابوں کے سامنے لوگوں کی بھیڑ

یہاں کی عورت ایک طرف پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کی جانے والی اپنی اسلام آشنا اور قدامت پرست تصویر اور دوسری طرف لاہور کی فلمی فحش زدہ پیشہ ورانہ اور بردہ فروشانہ تصویر کے درمیان ایک نئے توازن اور شناخت کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہے

مل جائے گی۔

ضیاء حکومت کی قید و بند کے سائے میں گذرنے والے برسوں میں ایک فحاشی پسند زمین دوز تہذیب پروان چڑھتی رہی ہے۔ دو سال قبل پاکستان کے پہلے فحش ایکٹر بالہ فاروقی کو اگرچہ حراست میں لے لیا گیا لیکن اس کی نامکمل فلم تماش بینوں تک پہنچ ہی گئی اور ننگے مجروں کی طرح اس کی بھی بڑی پذیرائی ہوئی۔ ہیرا منڈی جسم فروشی کے لئے مشہور ہے۔ ڈانسر اور پیشہ ور عورتیں اس علاقے سے باہر بھی بے خوف و خطر اپنے گاہکوں کی تشفی کرتی رہتی ہیں۔ ہیرا منڈی سے متصل پولیس اسٹیشن کا ایس ایچ او بننے کے لئے پولیس والے افسران بالا کو بڑی بڑی رشوتیں دیتے ہیں۔ راولپنڈی اور اسلام آباد میں متعدد گیسٹ ہاؤس ایسے ہیں جنہیں سرکاری افسران کی سرپرستی حاصل ہے۔ لاہور اور اسلام آباد کے بارسوخ حلقوں میں کال گرل سیلولر فون پر معاملات طے کرنے والی لڑکیوں کو کہا جاتا ہے جو گاہکوں کی تعداد اور کام کی نوعیت کے مطابق ایک رات ساتھ بسر کرنے کے تین ہزار سے دس ہزار روپے تک وصول کرتی ہیں۔ پرس جھلاتی ہوئی کوچہ گرد لڑکیاں بھی لاہور میں گلبرگ کے علاقے میں گاہک تلاش کرتی ہوئی مل جائیں گی۔

یہاں کی عورت ایک طرف پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کی جانے والی اپنی اسلام آشنا اور قدامت پرست تصویر اور دوسری طرف لاہور کی فلمی فحش زدہ پیشہ ورانہ اور بردہ فروشانہ تصویر کے درمیان ایک نئے توازن اور شناخت کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ فیشن کے محاذ پر بھی ضیاء دور میں ڈھیلے شلوار قمیض اور لمبے دوپٹے پر مشتمل جس لباس کو قبول کیا گیا تھا وہ اب تیزی سے رخصت ہو رہا ہے اور اس کی جگہ مغربی طرز کے جسم کے خطوط کو نمایاں یا برہنہ کرنے والے لباسوں کی بھرمار ہو رہی ہے۔ مارشل لاء کے دوران عورت کے تصور پر خصوصی توجہ دی گئی تھی اسے نسوانیت کے مقررہ معیار پر پورا نہ اترنے کی بناء پر تادیب کا سامنا کرنا پڑتا تھا لیکن اب صورت حال بدل گئی ہے۔ اب پاکستان ٹی وی پر عورتوں کے مختلف معاملات پر بحث سے پروگرام ہوتے ہیں اور پروفیشنل میدانوں میں عورتوں کی تعداد بھی خاصی بڑھی ہوئی ہے۔ نئی معاشی ضروریات عوام میں اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلوانے کی ضرورت کا احساس بیدار کر رہی ہیں۔

پاکستان کے بیشتر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اگرچہ جماعت اسلامی کے اسٹوڈنٹس ونگ کا غلبہ ہے لیکن طلباء و طالبات کے ایک دوسرے سے تبادلہ خیالات اور میل جول پر پابندی لگانے میں اس گروہ کو کامیابی مل رہی ہے۔ لاہور کی یونیورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں تو جماعت کی دھمکیوں کے باوجود موسیقی کے مخلوط پروگرام بھی ہوتے ہیں۔

پاکستان میں کسی کے لئے متمول اور با رسوخ ہونا بہت بڑی بات ہے کیونکہ وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اس کا کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ چند برس پہلے ایک بارسوخ مذہبی لیڈر مولانا سمیع الحق اور طاہرہ میڈم کا سیکس اسکینڈل اچھلا تھا اور ایسے وقت میں جب ٹیلی ویژن ڈرامے میں شریک مرد و عورت الگ الگ راستے سے واپس ہوتے تھے ان بارسوخ مولانا پر کوئی آنچ نہ آئی ہاں میڈم طاہرہ کا ضرور کوئی سراغ نہ ملا۔ اس طرح صدر فاروق احمد خاں لغاری کے ایک عزیز شراب کی دو بوتلوں کے ساتھ پکڑے گئے۔ نہ صرف انہیں رہا کر دیا گیا بلکہ تمام ثبوت بھی صاف کر دئے گئے۔ ایسے ماحول میں باضمیر انسان کا زندہ رہنا مصیبت ہے۔ کوئی امتناعی قانون یا قدیم اقدار پر مبنی کوئی مذہبی یا اخلاقی ضابطہ یہاں کے عوام کو زندگی کی لذتوں کے تعاقب سے باز نہیں رکھ سکتا۔

•

بقیہ : — یہ مٹھی بھر لوگ

پٹنہ اجلاس کا ایجنڈا ہندوستانی مسلمانوں کا داخلی معاملہ ہے۔

ملی پارلیامنٹ نے حکومت سے کوئی مطالبہ نہیں کیا ہے بلکہ اس ملک کو انتشار سے بچانے کے لئے محب وطن ہندوستانیوں کے لئے چند سیاسی تجاویز رکھی ہیں۔ ساتھ ہی بیس کروڑ کی امت کو اس کی اصل قوت کا ادراک کرانے کی کوشش کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے عہد و پیمان کو یاد دلانے کا کام شروع کیا ہے۔ امت کی اندرونی صف بندی اور اتحاد کے عمل پر ہر مخالف آواز کا پوری امت کو مل کر مقابلہ کرنا چاہئے۔

ضرورت ہے کہ امت کے مختلف گروہ اور جماعتیں مشرکین کے مقابلہ میں ان کے ساتھ اتحاد کا مظاہرہ کریں کہ یہی انما المومنون اخوۃ کی شان ہے۔

بار الہا! ظلمت کدہ ہند میں آخری رسول کی امت کو پھر سے منظم کرنے کی اس مہم کو کامیاب فرما! اسے مشرک سیاسی قیادت سے نکال کر مومن قیادت کے زیر تحت منظم فرما!

اے خدا! اس چھوٹے سے گروہ کی ہر طرح حفاظت فرما! کہ اگر آج یہ مختصر سا گروہ تیرے نام لینے کے جرم میں کچل دیا گیا تو آنے والے دنوں میں کسے ہمت ہوگی کہ وہ کفر و شرک کے اس اتھاہ سمندر میں تیری کبریائی کا علم بلند کر سکے!

بقیہ : — نئی کتابیں

تیں انسانیت سوز حد تک منافرت کا مظاہرہ کرنے لگے۔

ان حالات سے دل برداشتہ ہو کر حلیوی نے جے ڈی ایل سے علیحدگی اختیار کی۔ کچھ دن منشیات کے سہارے بھی اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کی اور پھر خلاف توقع ایک غیر یہودی لڑکی کے عشق میں مبتلا ہو گیا جس نے بعد میں مذہب تبدیل کر لیا اور وہ دونوں اسرائیل آ گئے۔ عمر کی پختگی کے مرحلے میں پہنچ کر حلیوی میں نرمی آ گئی اور غالبا تمام انتہا پسندوں کے ساتھ یہی ہوتا رہا کہ وسیع تر اور مکمل دنیا کے گرم و سرد تجربات سے گزر کر ان کا غیض و غضب ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور وہ ازدواج اور سماجی زندگی میں سکون تلاش کر لیتے ہیں۔ ایسی مثالوں سے ہماری امید بندھتی ہے کہ فلسطینی، سربیائی، تمل اور چیچن انتہا پسندوں کی زندگی میں یہ مرحلہ آنا ابھی باقی ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

•

بقیہ : — پی اے سی کو نئی شکل دینے...

مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو بھرتی کیا جائے۔ تاکہ پی اے سی محض ہندو فورس بن کر کام نہ کرے بلکہ وہ اپنے فرائض منصبی کو سمجھے۔ سماجی ماہرین کا خیال ہے کہ جب تک پی اے سی میں دوسری اقلیتوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہوگی اور پہلے سے موجود جوانوں کی ذہنی تربیت نہیں ہوگی تب تک پی اے سی معتبر اور قابل بھروسہ فورس نہیں بن پائے گی۔ لیکن حکومت نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے پی اے سی کو نئے روپ میں ڈھالنے کا پروگرام بنایا لیکن اصل مسائل اور اصل معاملات سے صرف نظر کر لیا، جب تک ان مسائل کو سامنے رکھ کر پی اے سی کی از سر نو ترتیب و تشکیل نہیں کی جائے گی تب تک کوئی بھی کوشش اس فورس کو اقلیتوں اور مسلمانوں میں معتبر اور قابل بھروسہ بنانے میں کامیاب نہیں ہوگی۔

غیر اسلامی جماعتوں کے عدم تعاون کی پالیسی کے سبب

ترکی میں اسلامی رفاہ پارٹی کے لیے حکومت سازی جوئے شیر لانے سے کم نہیں

ترکی کے عام انتخابات میں ۱۵۸ سیٹیں جیت کر اسلامی رفاہ پارٹی سرفہرست کیا آئی کہ ایک دنیا مخالفت پر آمادہ ہوگئی۔ ترکی کے اندر اور باہر ہر جگہ ان نام نہاد سیکولر عناصر سے اپیل کی گئی جو رفاہ پارٹی کے مخالف ہیں، کہ وہ متحد ہوکر خود حکومت سازی کریں اور رفاہ کو برسراقتدار آنے کا موقع نہ دیں۔ ترکی کے صدر سلیمان دیمیرل نے کہا تھا کہ وہ دستوری اعتبار سے اس کے پابند نہیں ہیں کہ سب سے زیادہ سیٹیں حاصل کرنے والی پارٹی ہی کو حکومت سازی کی دعوت دیں۔ لیکن ان کے مغرب نواز مشیروں اور ترکی میں سیکولرازم کے مغربی مداحوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ رفاہ پارٹی ہی کو حکومت بنانے کی دعوت دیں۔ دراصل یہ عناصر اس دوران یہ کامیاب کوشش کرچکے تھے کہ دائیں بازو کی کوئی بھی جماعت نجم الدین اربکان کے ساتھ حکومت میں شامل نہ ہوگی۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں رفاہ حکومت سازی سے معذوری ظاہر کرکے الگ ہوجائے گی۔

کارگزار وزیراعظم تانزو سیلر نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ رفاہ کے ساتھ حکومت میں شامل نہ ہوں گی۔ دائیں بازو کی دوسری بڑی جماعت مدر لینڈ کے لیڈر مسعود ایلماز نے اس ضمن میں بہرحال خاموشی اختیار کررکھی تھی۔ جس سے رفاہ کو امید تھی کہ شاید وہ اس کے ساتھ مشترکہ حکومت بنانے پر تیار ہوجائیں۔ لیکن باخبر حلقوں کو پہلے سے علم تھا کہ ایسا ممکن نہیں ہوگا۔

ان حالات کے پیش نظر صدر سلیمان دیمیرل نے اربکان کو حکومت سازی کی دعوت دے دی۔ چونکہ اربکان کو اکثریت حاصل نہیں تھی اس لئے انہوں نے انتخاب کے دوران کئے گئے وعدوں اور اپنے منشور کے برعکس یورپی یونین سے ترکی کے تعلق اور بعض اسلامی امور پر کافی نرم رویہ اختیار کرلیا تھا۔ دراصل وہ یہ امید کر رہے تھے کہ اس طرح مدر لینڈ پارٹی کے ساتھ وہ مشترکہ حکومت بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔ اس ضمن میں ایلماز سے ان کی ملاقات بھی ہوئی لیکن دونوں رہنما بعض امور پر ایک دوسرے سے اتفاق نہ کرسکے۔

اربکان حکومت سازی میں اس لئے دلچسپی رکھتے ہیں کہ اپنی بہتر کارکردگی سے ترکی کے مزید عوام کو اپنے ساتھ لاسکیں گے۔ لیکن ایلماز نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ ملاقات کے بعد ایلماز نے کہا کہ ان کے اربکان کے ساتھ بہت سے امور پر اختلافات ہیں۔ واضح رہے کہ ایلماز یوروپی یونین کے ساتھ اتحاد کے علاوہ سیکولرزم کے زبردست حامی ہیں جبکہ اربکان اسلام اور اسلامی اتحاد کی بات کرتے ہیں۔ اربکان یوروپی کسٹم یونین کے بھی مخالف ہیں جب کہ ایلماز اس کے زبردست حامی ہیں۔ ظاہر ہے اس قسم کے بنیادی پالیسی امور پر اختلاف رائے کے ساتھ مشترکہ حکومت کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہوتے۔

مسعود ایلماز نے اربکان کے ساتھ مذاکرات کی ناکامی کے بعد کہا کہ وہ رفاہ کے ساتھ کسی قسم کا اتحاد قائم نہیں کرسکتے۔ اربکان نے دوسری طرف یہ کہا کہ اگر ترکی کی سیاسی پارٹیاں حکومت سازی میں ان کی مدد نہیں کرسکتیں تو وہ خود مل کر حکومت بنائیں۔

مسعود ایلماز کارگزار وزیراعظم تانزو سیلر کے ذاتی طور پر سخت مخالف ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اربکان کے ساتھ اپنے مذاکرات کی ناکامی کے بعد انہوں نے ان سے اپیل کی کہ مشترکہ حکومت کے لئے نئے اصول مرتب کریں۔ البتہ اس میں ان کی یہ ضد شامل نہ ہو کہ وہی وزیراعظم ہوں گی۔ ایسا لگتا ہے کہ ایلماز اور سیلر دونوں کے بجائے اب کوئی تیسرا قابل قبول شخص ہی ترکی کا آئندہ وزیراعظم ہوگا۔ ٹروپاتھ پارٹی اور مدرلینڈ بہت سے امور پر یکساں رائے رکھنے کے باوجود ایک دوسرے کی سخت مخالف ہیں۔ ممکن ہے عوام اور مغرب کے دباؤ سے وہ ایک مشترکہ حکومت میں شریک ہونے پر آمادہ ہوجائیں۔ لیکن ایسی کسی بھی حکومت کی کامیابی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ بہت ممکن ہے ترکی میں ایک بار پھر بہت جلد ہی انتخابات ہوں۔

> ایلماز یورپی یونین کے ساتھ اتحاد کے علاوہ سیکولرزم کے زبردست حامی ہیں جبکہ اربکان اسلام اور اسلامی اتحاد کی باتیں کرتے ہیں۔ اس قسم کے بنیادی پالیسی امور پر اختلاف رائے کے ساتھ مشترکہ حکومت کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں

شین بیت کی انگلیوں سے معصوم عربوں کا لہو ٹپک رہا ہے

اسرائیل کی بدنام زمانہ خفیہ ایجنسی موساد کے بارے میں ایک دنیا جانتی ہے۔ لیکن اتنی ہی خطرناک بلکہ خوفناک شین بیت کے بارے میں لوگوں کا علم کافی ناقص ہے۔ یہ اسرائیل کی اندرونی خفیہ ایجنسی ہے جس نے اسرائیل کی تاریخ میں بہت بڑا رول ادا کیا ہے۔ اس ایجنسی کا نام پہلے بالعموم مقبوضہ عرب علاقوں میں مظالم کے تعلق سے آتا تھا۔ لیکن حالیہ دنوں میں اس کا نام خصوصاً سابق وزیراعظم اسحاق رابن کے قتل کے ضمن میں لیا جاتا رہا ہے۔ رابن کے قتل کو روکنے میں اپنی ناکامی کی وجہ سے اسے پورے اسرائیل میں تنقیدوں کا ہدف بنایا گیا ہے۔

شین بیت "شبک" کے نام سے بھی جانی جاتی ہے۔ ملک کے سیاسی لیڈروں کی حفاظت کی ذمہ داری شین بیت ہی کے سپرد ہے۔ یہ عام جاسوسی کے ساتھ غیر ملکی جاسوسوں کے خلاف بھی جاسوسی کرتی ہے۔ اسی طرح اسرائیل کے خلاف حملوں کو ناکام بنانا اور مقبوضہ عرب علاقوں میں ظالمانہ اقدام کرنا بھی اس کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

۴ نومبر کو اسحاق رابن کے قتل کو روکنے میں ناکامی کی اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے اس کے سربراہ نے جنوری کے دوسرے ہفتہ میں استعفی دے دیا ہے۔ شین بیت صحیح معنوں میں ایک خفیہ تنظیم ہے۔ اس کے سربراہ اور دوسرے بڑے افسروں کا نام بالعموم خفیہ رکھا جاتا ہے۔ شین بیت کے بارے میں خود اسرائیل کے لوگوں کو بھی کم ہی معلومات فراہم کی جاتی ہیں۔

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی شین بیت کا بھی قیام عمل میں آیا۔ شین بیت نے دراصل "شائی" خفیہ تنظیم کی جگہ لی۔ شائی "ہگنہ" نامی دہشت گرد صہیونی تنظیم کی خفیہ تنظیم تھی جو برطانوی انتداب کے دوران عربوں کے خلاف سرگرم تھی۔

اپنے قیام کے بعد شین بیت بہت دنوں تک اسرائیلی فوج سے وابستہ رہی۔ اسار ہیرل اس کے پہلے سربراہ تھے جو ۱۹۵۴ء تک اس عہدے پر کام کرتے رہے۔ ابتدا میں انہوں نے شین بیت کا آفس "جافا" میں ان گھروں میں قائم کیا جو پہلے عربوں کی ملکیت تھے۔ جافا ایک عرب اکثریت کا شہر تھا جسے یہودیوں نے دہشت گردی سے ۱۹۴۸ء میں ہتھیا لیا اور اب وہاں یہودیوں کی اکثریت ہے۔ ۱۹۵۰ء میں اسار ہیرل نے حکومت سے کہہ کر شین بیت کو اسرائیلی فوج سے الگ کرالیا۔

> بہت سے فلسطینی جانبازوں کو اس نے شہید کیا اور ہزاروں بے گناہوں کو جیلوں میں ٹھونس کر ان پر غیر انسانی تشدد روا رکھا مگر اسرائیل ان سب کو شین بیت کا "کارنامہ" قرار دیتا ہے

۱۹۵۶ء تک شین بیت بنیادی طور پر ان عربوں کے خلاف جاسوسی میں ملوث تھی جو اسرائیل میں رہ گئے تھے اور جو عام اسرائیلیوں کے برعکس ایک فوجی نظام کے تحت زندگی بسر کر رہے تھے۔ بہت سے عرب اس تنظیم کے ہاتھوں ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سو گئے۔ چونکہ شین بیت اپنے قیام کے وقت ہی سے لیبر پارٹی سے بہت قریب رہی ہے اس لئے بتدریج یہ اس کے مخالفین کے خلاف بھی جاسوسی کرنے لگی۔ اس نے حکومت مخالف دائیں بازو کے کئی انتہا پسند یہودی گروہوں کا پتہ لگاکر ان کا خاتمہ کردیا۔ اسرائیل کی اپوزیشن جماعتوں کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ شین بیت کے ایجنٹ ان کے پیچھے سائے کی طرح لگے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے خلاف گھٹیا انداز میں جاسوسی بھی کرتے ہیں۔

مغرب اور سابق سوویت یونین کے درمیان سرد جنگ کے پورے وقفے کے دوران شین بیت اپنے مذکورہ کاموں کے علاوہ اسرائیل کے کمیونسٹ لیڈروں کے خلاف بھی سرگرم رہی۔

سرد جنگ کے دوران شین بیت کو کافی اختیارات حاصل تھے جس کا اس نے اکثر غلط استعمال کیا۔ لیکن ان دنوں کوئی اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لوگ اس کا نام بھی لیتے ہوئے کانپتے تھے۔ لیکن ایک مشہور باہمت اسرائیلی صحافی یوری ایونیری نے اپنے کالموں میں شین بیت کے سیاہ کارناموں سے پردہ اٹھانا شروع کردیا۔ مگر اس سب کے باوجود شین بیت اپنے کام میں مصروف رہی۔ ۱۹۶۱ء میں اس نے اسرائیلی فوج کے ایک کرنل کو گرفتار کرلیا جس پر الزام تھا کہ وہ ماسکو کے لئے جاسوسی کر رہا تھا۔

شین بیت بہت سے مواقع پر ناکام بھی رہی ہے۔ فلسطینی انتفاضہ کے دوران اور امن معاہدے پر دستخط کے بعد عرب سرفروشوں کی سرگرمیوں کو روکنے میں خاص طور سے اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ انتفاضہ کے آغاز سے قبل ۱۹۶۷ء سے یہ مقبوضہ عرب علاقوں میں کافی سرگرم تھی۔ بہت سے فلسطینی جانبازوں کو اس نے شہید کیا اور ہزاروں بے گناہوں کو جیلوں میں ٹھونس کر ان پر غیر انسانی تشدد روا رکھا۔ مگر اسرائیل ان سب کو شین بیت کا "کارنامہ" قرار دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں شین بیت کی ناکامی یہ ہے کہ وہ اسحاق رابن کے قتل کو روک نہ سکی یا اس سے قبل مورڈیچائی وینونو اسرائیل کے ایٹمی رازوں کو انکشاف کرنے سے روکنے میں ناکام رہی تھی۔ بعد میں موساد نے وینونو کو لندن سے اغوا کرکے اسرائیل پہنچا دیا تھا جس کے بعد اس کے بارے میں سننے کو کچھ نہیں ملا۔

ملی پارلیامنٹ کا پٹنہ اجلاس یہ محسوس کرتا ہے کہ

امت مسلمہ کے لیے مذہبی شناخت کی خاطر پیش قدمی کا وقت آپہنچا ہے

اس یقین کے ساتھ کہ امت مسلمہ کا اولین مقصد کذب و ناانصافی کے ہر نظام کو پاش پاش کرکے اس کی جگہ ایک منصفانہ نظام قائم کرنا ہے ملی پارلیامنٹ کا یہ اجلاس مسلم ہندوستانیوں کو کفر کے نظام کے خلاف اجتماعی جدوجہد کرنے کے لئے میدان عمل میں آنے کی آواز دیتا ہے۔

یہ دیکھتے ہوئے کہ موجودہ سیاسی نظام نے ہندوستان کے بیس کروڑ مسلمانوں کو محض ایک بدنصیب اور مظلوم اقلیت بنا کر رکھ دیا ہے ہم اس ملک کے فکر و شعور رکھنے والے ہر باشندے کو گذشتہ نصف صدی کے سیاسی تجربے کا تفصیلی جائزہ لینے کی دعوت دیتے ہیں جو مسلمانوں کے ذہن پر سیاسی ناانصافی کے تاریک دور کی یاد بن کر چھایا ہوا ہے۔

> اس اعتقاد کے ساتھ کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہیں اور اسلام قومی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتا ہماری مسلم ہندوستانیوں سے درخواست ہے کہ وہ اسلامی اہمیت کے مسائل پر آفاقی انداز اختیار کریں

دستور ہند کے آرٹیکل ۴۴ (ڈائرکٹو پرنسپلز) اور اسلامی امور میں اس کی برابر مداخلت کو محسوس کرتے ہوئے ہم یہ بات پوری تاکید کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ امت مسلمہ کے لئے اب وہ وقت آگیا ہے کہ وہ اس طرح کی دستوری اور قانونی یورشوں سے اپنی مذہبی شناخت کو محفوظ رکھنے کی فکر کرے۔

ہندتو اور مستقبل میں اس کے ممکنہ مضمرات سے متعلق سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کے پیش نظر ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم سیاسی بل میں مجوزہ آئینی ترمیمات کے سلسلے میں مسلمانوں کے لئے پیش قدمی کا وقت آپہنچا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک خانہ جنگی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس لئے ہم تمام ہندوستانیوں کو مستقبل کے ہندوستانی وفاق کے خاکے کی طرف متوجہ کرنا چاہیں گے جو ۱۲۲ خود مختار غیر فوجی ریاستوں پر مشتمل ہے لیکن دفاع اور خارجہ پالیسی کے معاملات میں مرکز پر انحصار رکھتا ہے

چونکہ موجودہ غیر منصفانہ سیاسی نظام کو آخر زوال سے دوچار ہونا ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ وطن عزیز کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں گے اس لئے ہم متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ایک علیحدہ الکٹوریٹ کی پرزور حمایت کرتے ہیں۔

پٹنہ اجلاس میں سامعین کا ایک منظر

بھاگل پور، مراد آباد، میرٹھ، جمشید پور، آسام، بمبئی، احمد آباد، سورت وغیرہ جیسے علاقوں میں مسلم ہندوستانیوں میں پھیلے عدم تحفظ کے احساس اور ریاستی حفاظتی نظام کی مکمل ناکامی کے مدنظر ہم مسلمانوں کو ملک گیر خود مدافعتی حفاظتی نظام قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔

اپنے ملک میں پھیلی ہوئی غربت اور تعلیمی سہولتوں اور طبی دیکھ بھال کے فقدان سے ہم واقف ہیں اس لئے انصاف کا تقاضا ہے کہ اسلحے کی ٹیکنالوجی پر ملکی وسائل کو خرچ نہ کیا جائے۔

اس حقیقت کو خاص اہمیت دیتے ہوئے کہ ہندوستانی مسلمان دنیا کی کثیر ترین مسلم آبادی کی تشکیل کرتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی شرکت کے بغیر تنظیم ممالک اسلامیہ (او آئی سی) جیسے بین الاقوامی فورم کا کوئی مفہوم ہی نہیں رہ جاتا۔ اس لئے ہم ان تمام ممالک کی مذمت کرتے ہیں جو او آئی سی کی مکمل رکنیت کے حصول میں ملی پارلیامنٹ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہے ہیں۔ ہم ان ممالک کے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس بین الاقوامی مسلم تنظیم میں اپنے ہندوستانی مسلم برادران کو داخلہ دلانے کے لئے اپنی متعلقہ حکومتوں پر دباؤ ڈالیں۔

اس اعتقاد کے ساتھ کہ پوری دنیا کے مسلمان ایک قوم ہیں اور اسلام قومی سرحدوں کو تسلیم نہیں کرتا ہماری مسلم ہندوستانیوں سے درخواست ہے کہ وہ اسلامی اہمیت کے مسائل پر آفاقی انداز اختیار کریں۔

ملی فرمان

۱۔ مسلمانوں کے لئے کفار و مشرکین کی سیاسی قیادت قبول کرنا شرعاً حرام ہے اس لئے مسلمانوں کو تمام غیر مسلم سیاسی جماعتوں سے دور رہنا چاہئے۔

۲۔ مسلمانوں کو کفر کے نظام سے خوش گوار روابط رکھنے والے یا غیر مسلم (کافر) حکمرانوں سے ملاقات کو باعث سعادت گرداننے والے تمام علماء کا بائیکاٹ کرنا چاہئے۔ ایسے علماء کو مسلمانوں کی مذہبی نمائندگی کا مزید حق نہیں ملنا چاہئے۔

۳۔ غیر مسلم سیاسی جماعتوں میں مسلم سیاسی لیڈران مسلم فرقے کے نمائندے نہیں ہیں۔ چونکہ وہ کفار کے نامزدگان میں سے ہیں اس لئے مسلمانوں کو ان کی انتخابی کامیابی کے لئے کام نہیں کرنا چاہئے۔

۴۔ آج کے سیاسی ڈھانچے میں مسلم سیاسی پارٹیاں موثر نہیں ہیں اس لئے آئندہ انتخابات کے لئے ایک ملک گیر مسلم سیاسی جماعت کی تشکیل کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔

۵۔ مسلم گروہوں، اداروں اور علماء کو ۱۲۲ غیر فوجی خود مختار ریاستوں پر مشتمل ہندوستانی وفاق کے لئے مشترکہ کوشش کرنی چاہئے اور ملی پارلیامنٹ کے سیاسی منشور "مسلم پولیٹیکل بل" کی حمایت کے لئے آگے آنا چاہئے۔

۶۔ جمہوریت اور سیکولرزم کے تصورات چونکہ غیر اسلامی ہیں اس لئے کسی ایسے غیر اسلامی نظام کو تقویت دینے کی خاطر کوشش کرنا مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔

۷۔ ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کرتے ہیں کہ اس ملک میں ہم مسلمانوں کے سیاسی اتحاد کے لئے کام کریں گے اور ہندوستان کے بیس کروڑ مسلمانوں کو غیر مسلم سیاسی قیادت کے ظلم و استبداد سے نجات دلانے کی ہر ممکن جدوجہد کریں گے۔

کیا ہے حوالہ کاروبار

کسی ایجنٹ کو یہاں اپنی کرنسی میں کی گئی ادائیگی آپ کو کسی غیر ملک میں وہاں کی کرنسی میں مقررہ مقام پر ملے تو اسے "حوالہ" کہتے ہیں۔

حوالہ کاروبار کا روح رواں دوبئی میں بیٹھے بیٹھے پوری دنیا میں اس کاروبار کو کنٹرول کئے ہوئے ہے۔ منو نامی یہ شخص سندھی ہے اور کپڑوں کا تاجر ہے۔ اس کی وہاں کپڑے کی ملیں اور شوروم بھی ہیں۔ وہ صرف تین منٹ میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے میں کروڑوں روپے بھیج سکتا ہے۔ جین حوالہ کانڈ کے ذمہ داران اسی کے شاگرد ہیں۔ اس کاروبار سے اب بہت کم سیاستداں بچے ہیں۔ دہلی کے ایک حوالہ ایجنٹ کا کہنا ہے کہ اب انتخابات آرہے ہیں اور کئی لیڈران باہر کے پیسے منگائیں گے جب دھندے میں سیاستداں ساتھ ہو تو خطرہ کم ہوتا ہے۔

حوالہ کاروبار کے ایک ایجنٹ کے مطابق صرف دہلی سے یومیہ پچاس کروڑ سے زائد کا کاروبار ہوتا ہے۔ ایجنٹوں کا کمیشن ایک فیصد ہوتا ہے اور دھندے کے مطابق یہ بڑھتا جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر ریزرو بینک نے ڈالر کی قیمت ۳۵ روپے طے کی ہے تو حوالہ میں اس کی قیمت ۳۸ روپے سے زائد ملے گی۔ اس کے علاوہ بغیر کسی کاغذی کارروائی کے آپ کو لندن یا دوبئی سے کچھ ہی دیر میں پیسہ مل جائے گا۔ اور ٹیکس کا بھی جھنجھٹ نہیں ہے۔ حوالہ کے تحت اندرون ملک ایک شہر سے دوسرے شہر میں منٹوں میں لاکھوں روپے کا لین دین ہوسکتا ہے۔

کاروبار کئی شہروں میں دھڑلے سے چل رہا ہے۔

حوالہ کے بین الریاستی کاروبار اڈہ دہلی میں چاندنی چوک کے کوچہ مہاجنی میں ہے جبکہ بین الاقوامی کاروبار کا اڈہ کناٹ پلیس میں ہے۔ دہلی میں تقریباً تیس ایجنٹ فون اور فیکس کے ذریعہ یہ دھندہ چلا رہے ہیں۔ شیئر دلال یا سونے کی گدی کے نام سے بھی یہ مشہور ہے۔ حوالہ کے ذریعہ کروڑوں کا کاروبار ہوتا ہے اور وہ بھی پوری ایمانداری سے۔ ایک ایجنٹ لندن دس لاکھ روپے بھیجتا ہے۔ لندن میں جس غیر ملکی کرنسی میں ادائگی لینی ہوتی ہے اس کا "کوڈورڈ" دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر "شال چاہئے" یا "ایک پان دے دو" اور اس پر پوری ادائگی ہوجاتی ہے۔ حوالہ ایجنٹ کے پاس کام کے لئے صرف ایک ڈائری ایک پنسل اور ربڑ ہوتا ہے۔ دن بھر پنسل سے لکھا گیا حساب شام کو سودہ نمٹنے پر ربڑ سے مٹا دیا جاتا ہے۔ جین حوالہ کانڈ کے جین یہیں مات کھا گئے تھے ڈائری سے انہوں نے نام نہیں مٹائے تھے۔ ●

بقیہ: ایک ڈائری.....

کشور، جے این یو کے بشیر اور انور کو حراست میں لے لیا۔ ان کے قبضے سے پیسے، زیورات اور اہم دستاویزات بھی ملیں۔

اچانک اس معاملے نے ایک نیا موڑ لے لیا۔ سی بی آئی کے اس وقت کے ڈائرکٹر وجے کرن کو اس وقت کے وزیر اعظم چندر شیکھر کے دفتر سے ایک پیغام ملا۔ وجے کرن اور حکمرانوں کے درمیان کیا بات چیت ہوئی اس کا پتہ نہیں چل سکا البتہ اس کے بعد ہی سی بی آئی نے اگلے حکم تک کے لئے ڈائری کو سیل کرنے کا حکم دے دیا۔ جانچ کرنے والوں کو ہدایت دی گئی کہ وہ جین برادران سے پوچھ گچھ نہ کریں۔ اروڑہ کو بھول جائیں، مول چند شاہ کے بارے میں پریشان نہ ہوں اور ڈائری کو بھول کر اپنا معاملہ کشمیر کے جنگجوؤں تک محدود رکھیں۔ کیونکہ ڈائری کے مطابق حوالہ کاروبار کے تحت ان کو بھی پیسے دئے جارہے تھے۔

اس ہدایت پر عمل ہوا۔ کچھ دنوں میں شہاب الدین غوری اور اشفاق کے علاوہ سبھی کی ضمانت ہوگئی۔ یہ دونوں ابھی بھی جیل میں ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں ان دونوں پر ٹاڈا لگایا گیا وہیں پر دوسروں پر یہ دفعہ نہیں لگائی گئی۔ چندر شیکھر کے بعد وزیر اعظم بنے نرسمہاراؤ کا نام اس ڈائری میں نہیں تھا۔ لیکن سی بی آئی نے معاملے کو دبائے رکھا۔ دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ اب مفاد عامہ کی عذرداری پر سپریم کورٹ کا حکم جاری ہونے تک اس معاملے کے سرغنہ ایس کے جین سے ایک بار بھی پوچھ گچھ نہیں کی گئی۔ اب اس نے سات سیاستدانوں کے خلاف چارج شیٹ داخل کی ہے اور تین مرکزی وزراء کے خلاف جو اب مستعفی ہوچکے ہیں قانونی کارروائی کی اجازت طلب کی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستانی سیاست میں زلزلہ برپا کرنے والا یہ اسکینڈل آگے کیا گل کھلاتا ہے۔

سیکولر ڈیموکریسی کے تازیانوں سے ہمارا ملی وجود چھلنی ہو چکا ہے

ملت کو نظام کفر کی قہر سامانیوں سے نجات دلانا ہمارا اولین مقصد ہے

پٹنہ اجلاس کے موقع پر قائد ملی پارلیامنٹ کے خطبہ صدارت کے اہم اقتباسات

اس ملک کے مقہور و مجبور مسلمانو!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہندوستانی مسلمانوں کے اس تاریخ ساز اجلاس میں اپنے آپ کو موجود پاکر میں بے انتہا خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ منقسم ہندوستان کی پچاس سالہ سیاسی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب اس مکروہ سیاسی نظام کے ظلم و جبر سے پریشان ہو کر، اس عقوبت گاہ کی پچاس سالہ اذیت ناک زندگی سے تنگ آکر آج ملک بھر سے دردمند اور باحوصلہ مسلمان اس نظام کفر کے انکار کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ پٹنہ کی سرزمین پر منعقد ہونے والا ملی پارلیامنٹ کا یہ سیاسی اجلاس گویا پہلا موقع ہے جب مسلمانان ہند کا پچاس سالہ سیاسی سکوت ٹوٹ رہا ہے۔ یہ خود اتنا بڑا تاریخ ساز قدم ہے کہ اس سے اس ملک میں نئی تبدیلیوں کے دروازے کھل سکتے ہیں۔

ملی پارلیامنٹ کا یہ اجلاس گذشتہ پچاس سالہ سیاسی رویے کی نفی کرتا ہے۔ ہم آج اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ شرعی طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ زندگی کے کسی بھی گوشے میں کفار و مشرکین کی اتباع قبول کرلیں۔ جو لوگ مسجدوں میں ہماری امامت کے اہل نہیں ہوسکتے انہیں مسجد سے باہر بھی یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ ہماری قیادت سنبھال لیں۔ یہ ایک ایسا مسلمہ شرعی اصول ہے جس کے خلاف بڑے سے بڑا سرکاری عالم بھی کوئی دلیل نہیں لاسکتا اور نہ ہی قرون اولی کی اسلامی تاریخ سے کوئی مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

آیئے آج ہم اس بات کا اقرار کریں کہ ہم اول تا آخر مسلمان ہیں۔ صرف اور صرف مسلمان۔ ہماری شناخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت سے عبارت ہے۔ ہم نہ شیعہ ہیں نہ سنی، نہ حنفی ہیں نہ شافعی، نہ بریلوی ہیں نہ دیوبندی۔ ہم صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ ہمارے لئے اگر کوئی کتاب کتاب ہدایت ہے تو وہ صرف خدا کا آخری پیغام قرآن مجید ہے اور ہم اگر اپنے کسی عمل کے لئے کوئی دلیل لاسکتے ہیں تو وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ باطل ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان کی ایک ایسی تعریف ہے جس میں بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے کسی بھی فرد کے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام سے اپنی گہری وابستگی اور اس برملا اقرار کے بعد ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم ہر لمحہ خدا کے آخری پیغام کو اس ملک میں عام کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو تازہ کرنے کے لئے سرگرم رہیں۔ ہمیں کوئی رکاوٹ یا کوئی دنیاوی قوت اس راہ سے ذرہ برابر نہ موڑے۔ جابر حکومتیں اور قاہر حکمراں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری وفاداری پر روک نہ لگا سکیں۔ یہاں تک کہ اللہ اور اس کے رسول سے وفاداری ہمارے لئے پھانسی کے پھندوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنتی ہو۔ اپنے رسول کی محبت میں ہمیں یہ سب خوشی خوشی قبول کرنا چاہئے کہ کل جب حشر کا میدان سجا ہو اور آج کے رستے والے کفار و مشرکین اس کے حضور شرمندہ ہوں، ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں تو آپ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس کی محبت کے صلے پھانسی کے پھندوں تک پہنچنے کا عمل پیش کر سکیں اور آپ کے نوجوان یہ بتا سکیں کہ ان کی ہڈیاں صرف اس لئے توڑی گئی تھیں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وابستگی کا دم بھرتے تھے۔ آپ کی بہنیں خدا کے حضور اپنی آبروریزی کا مقدمہ پیش کرتے ہوئے یہ بتا سکیں کہ ہمیں صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کے جرم میں کفار و مشرکین کی ہوسناکیوں کا نشانہ بننا پڑا۔ اور تختہ دار تک پہنچنے والے آپ کے باحوصلہ افراد خدا اور اس کے رسول کے حضور اپنا یہ مقدمہ پیش کرسکیں کہ آخری رسول کی امت کو کفار و مشرکین کی سیاسی غلامی سے نجات دلانے کی کوششوں سے ان کا یہ حال ہوا ہے۔

برادران اسلام اور دختران ملت! گزشتہ پچاس برسوں میں اذیت کی کون سی قسم ہے جو آپ کے حصے میں نہیں آئی ہے۔ سرکاری عقوبت گاہوں کے دروازے آپ پر آج بھی کھلے ہیں اور اس ملک میں مسلم خواتین کی اجتماعی آبروریزی بھی بار بار دہرایا جانے والا عمل ہے۔

> **ہم میں سے بہتوں کو شاید اس حقیقت کا احساس نہ ہو لیکن کل کا مورخ لکھے گا کہ پٹنہ کی سرزمین پر منعقد ہونے والے ملی پارلیامنٹ کے اس اجلاس سے جو صدا اٹھی تھی اس نے مستحکم نظام کفر کی طناب لپیٹنے کی ابتدا کردی تھی۔**

پھر مسلم کش فسادات کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو کسی بھی وقت ملک کے کسی بھی حصے میں مسلمانوں کی زندگی کا چراغ گل کرسکتا ہے۔ عقوبت گاہوں کے دروازے تو آپ پر آج بھی کھلے ہیں۔ البتہ فرق یہ ہے کہ آپ کی یہ ساری قربانی رسول کی محبت سے خالی ہے۔ آنے والا ہر دن آپ سے مزید قربانیوں کا مطالبہ تو ضرور کرتا ہے لیکن اس کی قیمت پر کسی نئی صبح کے طلوع کی امید نہیں بندھتی۔

افسوس کہ بیشتر سیاسی مسلمانوں اور ناسمجھ قائدین کے لئے آج خدا کی یہ کتاب کتاب ہدایت نہیں ہے۔ وہ برملا اس بات کا اظہار کرتے نہیں تھکتے کہ اس ملک کی بین الملی ثقافت کے پیش نظر سیکولرزم ہی اس ملک کے لئے مناسب نظام حیات ہے۔ گویا یہ کہہ کر صاف خدا کی کتاب کے خلاف جنگ کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان دنیا کے کسی بھی خطے اور تاریخ کے کسی بھی لمحے میں قرآن کے علاوہ کسی اور نظریے کو نظام حیات کے طور پر مستند گردانتا ہے تو گویا وہ کھلے الفاظ میں اپنے ایمان کا انکار کرتا ہے۔

تاریخ کے اس نازک موڑ پر جب سیکولر ڈیموکریسی کے تازیانوں سے ہمارا ملی وجود چھلنی چھلنی ہوچکا ہے۔ جب ہم میں سے ہر شخص پر یہ حقیقت عیاں ہوچکی ہے کہ سیکولر ڈیموکریسی کی حقیقت ایک دستوری فراڈ کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ جب ہمارے کور چشم سیاسی قائدین نے بھی سیکولر ڈیموکریسی کے سائے تلے بابری مسجد کے گنبد منہدم ہوتے دیکھ لئے ہیں۔ جب ہمارے روشن خیال مسلمانوں پر بھی سیکولرزم کا مطلب مسلم کش فسادات کی شکل میں ظاہر ہوا ہے اور جب ہماری مغرب زدہ بہنوں پر بھی سیکولر نظام کی برکتیں اجتماعی آبروریزی کی شکل میں ظاہر ہوچکی ہیں اور جب امت کے ہر چھوٹے بڑے پر اس نظام کا مکروہ منافقانہ چہرہ بے نقاب ہوچکا ہے، ایک ایسے لمحے میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ہم غیض و غضب میں اس نظام پر تبرا کرنے یا اس کے خلاف زبانی احتجاج کرنے کے بجائے اجتماعی طور پر اس کافرانہ نظام کا انکار کریں اور ایک نئے منصفانہ نظام کے قیام کے لئے اپنی جدوجہد تیز تر کردیں۔

ملی پارلیامنٹ کا یہ اجلاس دراصل اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جہاں ملک بھر سے آئے ہوئے پریشان حال مسلمان اس کافرانہ نظام کے قہر و جبر سے نکلنے کے لئے ایک عملی راستے کی تلاش کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ ملک بھر سے آئے ہوئے سعید روحوں کے ان قافلوں کو دیکھ کر ہمت بندھتی ہے کہ جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے اور اس نظام کفر کو چیلنج کرنے کے عمل میں میں تنہا نہیں ہوں۔ اس بات سے بھی حوصلہ ملتا ہے کہ محدود آزادی کے نام پر سیاسی غلامی کی اس زندگی سے نجات پانا آج بے شمار بے چین روحوں کا اولین ہدف بن چکا ہے۔

ہم میں سے بہتوں کو شاید اس حقیقت کا احساس نہ ہو لیکن کل کا مورخ لکھے گا کہ پٹنہ کی سرزمین پر منعقد ہونے والے ملی پارلیامنٹ کے اس اجلاس سے جو صدا اٹھی تھی اس نے مستحکم نظام کفر کی طناب لپیٹنے کی ابتداء کردی تھی۔

برادران گرامی اور دختران ملت! تاریخ کے اس فیصلہ کن موڑ پر لازم ہے کہ ہم پھر سے اپنے وہ خواب ترتیب دیں جو گذشتہ پچاس سالہ جبری نظام میں پارہ پارہ ہوچکا ہے۔ آج ہم ایک بار پھر اپنے رسول کے اس آخری خطبے کو اپنے ذہن میں تازہ کریں اور اس ذمہ داری کو یاد کریں جو ایک منصفانہ دنیا کے قیام کے سلسلے میں ہمارے محبوب رسول نے ہم پر ڈالی تھی۔ اور تب ہم نے یہ عہد کیا تھا کہ آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے جانے کے بعد ہم رسول کے ورثے یعنی اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہیں گے تب ہم نے اپنے محبوب رسول سے یہ بھی عہد کیا تھا کہ ہم اس کے پیغام کو پوری دنیا میں پہنچا دیں گے۔ لیکن ابھی صرف چودہ صدیاں گزری ہیں، ابھی یہ سب کچھ بالکل تازہ تازہ واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ جبل رحمت کی چوٹیاں اور عرفات کی وادی ہم سے پوچھتی ہیں کہ ہمارے وہ عہد و پیماں کیا ہوئے۔ اپنے رسول سے کئے گئے وعدے کا حق ہم نے کہاں تک ادا کیا۔ توقع تو یہ تھی کہ ہم پوری دنیا کو آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نعرہ انقلاب سے بھر دیں گے۔ ہم دنیا کے گوشے گوشے میں نظام انصاف کا قیام ممکن بنائیں گے اور دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی جابر کو اس بات کی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ اللہ کے بندوں کو غیر اللہ کی اطاعت کے لئے مجبور کرے۔ لیکن افسوس کہ عالمی انقلاب کا نعرہ بلند کرنے والے، قاہر حکومتوں کو اپنی ٹھوکروں سے الٹ پھینکنے والے آج اس وطن عزیز میں کفار و مشرکین کی سیاسی اتباع پر مجبور ہیں۔

آج جب اس ملک میں پچاس سالہ سیاسی سکوت ٹوٹ رہا ہے۔ جب اللہ کی رحمت کے طفیل ہم پر غور و فکر کے نئے دروازے کھل چکے ہیں اور جب ہمیں یہ توفیق حاصل ہوئی ہے کہ ہم اپنی گردنوں سے کفر کی سیاسی اتباع کا قلادہ نکال پھینکیں تو ہم پر لازم ہے کہ نصرت کی ایک ایسی گھڑی میں ان تمام خوابوں سے کنارہ کشی اختیار کرلیں جس کا تعلق اس خواب سے نہ ہو جو رسول کے ذریعہ ہم تک منتقل ہوا ہے۔ ہم صرف اور صرف اس خواب کے اسیر ہوں جس کے عملی قیام کی ذمہ داری ہم پر ڈالی گئی ہے۔ آج ہندوستانی مسلمانوں کے اس نمائندہ اجتماع میں میں اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ قرآنی نظام انصاف کے علاوہ دنیا میں جتنے بھی نظام حیات پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب باطل ہیں۔

باقی صفحہ ۱۲ پر

قائد ملی پارلیامنٹ جناب راشد شاذ شرکاء اجلاس کو کسی نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے

یہ ملک تیزی سے ایک خون آشام طوفان اور

موجودہ سیاسی نظام کے خاتمہ اور قرآنی اصولوں کی روشنی

ملی پارلیامنٹ کے پٹنہ اجلاس میں پیش

تمہید:—
ملک ٹوٹ پھوٹ کے دہانے پر پہنچ چکا ہے۔ آج ہم میں سے بہتوں پر یہ بات منکشف ہو چکی ہے کہ ہم بہت تیزی کے ساتھ انتشار اور ٹوٹ پھوٹ کی طرف گامزن ہیں۔ مابعد انہدام ہندوستان میں سیکولر جمہوری اقدار کے غبارے سے ہوا نکل چکی ہے۔ اب اس ملک کے پاس کوئی ایسی نظریاتی اساس نہیں جو اس کی جغرافیائی سلامتی کی ضمانت دے سکے۔ رہے سیاسی قائدین تو یہ اتنے بد عنوان، خود پرست اور اقتدار کے بھوکے ہیں کہ انہیں وطن عزیز کے مستقبل کی ذرہ برابر پروا نہیں۔ یہ محض اپنی غرض کے بندے ہیں۔ جن کا کام صرف اپنی سیاسی انا کی تسکین اور ہوا و ہوس کی تابعداری ہے۔ ایک ایسی سنگین صورت حال میں کوئی ملک خواہ اس کی کتنی ہی عظیم تاریخ کیوں نہ رہی ہو، اس کا شکست و ریخت کے عمل میں بتلا ہو جانا فطری ہے۔ نہ صرف کشمیر، آسام، پنجاب اور ناگالینڈ بلکہ ہر چہار طرف سے احتجاج اور بغاوت کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ بعض علاقوں میں تو ان احتجاجات نے سنگین صورت حال اختیار کرلی ہے۔

اس ملک کے مجبور و مقہور باسیوں کے اندر یہ احساس عام ہے کہ ملک کا سیاسی نظام کچھ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ ایک مختصر سی برہمن اقلیت کو ہر طرح برتری حاصل ہو جائے اس برہمن اقلیت نے گذشتہ پچاس سالوں سے وسائل سے مالا مال اس ملک کو لوٹ کھسوٹ کی آماجگاہ بنا رکھا ہے۔ لفظ ہندو کی من مانی دستوری تعریف نے برہمنوں کو اس بات کا موقع فراہم کردیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ایک کثیر لیکن مختلف الخیال قوموں کے نمائندہ اور رہنما کی حیثیت سے پیش کریں حالانکہ جن مختلف الخیال لوگوں کو ہندو بتایا گیا ہے نہ تو ان کے نظریات مشترک ہیں نہ ثقافت نہ رنگ و نسل اور نہ ہی بنیادی عقائد۔ البتہ گذشتہ چند برسوں میں ان

قوموں نے بھی جمے جمائے سیاسی ضابطوں اور کھیل کے تسلیم شدہ اصولوں پر تنقید شروع کردی ہے۔ ان علاقوں میں جہاں ایک مختصر سی مدت کے لئے بھی کوئی غیر برہمنی حکومت قائم ہوئی وہاں سیاسی اور سماجی نظام کی ہمواریاں کھل کر سامنے آئی ہیں جنہیں اگر بروقت سنجیدگی سے نہ لیا گیا تو یہ سب ایک ہمہ گیر اور مستقل نوعیت کی خانہ جنگی میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ انتشار کی مختلف آوازوں اور فاشزم کے مسلسل اٹھتے ہوئے طوفان میں آخر اس ملک کو کون سی قوت یکجا رکھ سکتی ہے؟ یقیناً نہ تو کسی جابرانہ ریاستی اقتدار کے لئے ایسا ممکن ہے اور نہ ہی جھوٹے وعدوں اور کھوکھلے نعروں کے ذریعہ یہ مہم سر کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم سوویت یونین کے تجربے سے سبق حاصل کرنے کے لئے آمادہ ہوں تو ہمیں حقائق کا کھلی آنکھوں سے سامنا کرنا ہوگا۔ ہمیں صورت حال کی فوری درستگی کی طرف توجہ دینی ہوگی اور پیش آمدہ تباہ ناکیوں سے بچنے کے لئے سخت جدوجہد کرنی ہوگی۔ اس سرزمین کے ایک باشندے کی حیثیت سے ہمیں اب چوکنا ہو جانے کی ضرورت ہے۔ اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ یہ جان لینے کے بعد کہ یہ ملک تیزی سے ایک خون آشام طوفان اور ہمہ گیر انارکی کی طرف بڑھ رہا ہے جس میں لاکھوں زندگیاں تلف ہو جائیں گی۔ ضرورت ہے کہ اس ملک کے قافلے کا رخ فوری طور پر تبدیل کردینے کے لئے، ہمارے ہاتھ حرکت میں آجائیں

ہم مسلمان اس ملک کے محض شہری ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت کچھ ہیں۔ خدا کے آخری رسول کی امت کی حیثیت سے اور آخری الٰہی پیغام کے حامل ہونے کے ناطے یہ ہماری بنیادی ذمہ داری ہے کہ ہم ہر قسم کے ظلم و جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں خواہ یہ ظلم کسی کی طرف سے بھی ہو اور کسی کے خلاف بھی روا رکھا گیا ہو۔ یہ ہمارا مذہبی فریضہ ہے کہ ہم صورت حال کی اصلاح کے لئے آگے آئیں، نظام کفر کے چیلنج کو قبول کریں اور اس وطن عزیز کو جو انتظامی بد عنوانی اور غاصب حکمرانوں کی شیطانی آرزوؤں کے عذاب میں بتلا ہے اسے ایک منصفانہ اور عادلانہ قیادت فراہم کریں۔

اسلام مسلمانوں کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ عملی دنیا میں کنارہ کشی کے رویے پر گامزن رہیں یا کسی غیر اسلامی سیاسی نظریے یا گروہ کی اتباع قبول کرلیں۔ یہ بات انتہائی تکلیف دہ ہے کہ آخری رسول کی امت کو اس ملک میں یہ باور کرایا جاتا رہا ہے کہ ہندوستان میں وہ محض ایک اقلیت ہیں اور اس لئے ملکی معاملات میں کوئی بنیادی رول ادا نہیں کر سکتے۔ حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ یہ بات انہیں مسلسل دوسروں نے نہیں بلکہ ان کے اپنے علماء اور دانشوروں نے باور کرائی ہے۔ ہمارے علماء ہمیں یہ بھی بتاتے رہے ہیں کہ اس ملک میں نظام حکومت کے لئے سیکولر ڈیموکریسی سے بہتر کوئی نظام نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ ہمیں حالات کے تقاضے کے پیش نظر ایک الٰہی نظام کے تحت زندگی جینے کی تمنا اور اس سرزمین پر نظام عدل کے قیام کا خواب ترک کردینا چاہئے۔ البتہ یہ کہتے وقت شاید وہ مسلم قائدین اس بات کو فراموش کر گئے کہ اسلامی نقطہ نظر سے انسان کے بنائے ہوئے کسی نظام حیات سے بیعت کرنا یا اس کی اتباع میں اپنے آپ کو دے دینا دراصل کھلا شرک ہے۔ اور یہ کہ جو لوگ اسلام کو اس ملک کے بین الملی معاشرے کے پیش نظر ایک ناقابل عمل نظریہ تصور کرتے ہیں وہ دراصل اپنے ایمان سے ہاتھ دھو لیتے ہیں اور اس طرح گویا کھلے ارتداد کا ارتکاب کرتے ہیں۔

البتہ دسمبر ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد کے انہدام نے امت مسلمہ پر بہت سے نئے حقائق منکشف کردئے۔ مسلمانوں نے یہ محسوس کیا کہ گذشتہ پچاس سالہ مسلم سیاسی تاریخ دراصل تاریک ایام تھے اور یہ کہ سیکولر جمہوری اقدار میں یہ کس بل نہیں کہ وہ اسلامی علامتوں کے تحفظ کی ضمانت دے سکیں۔ مابعد انہدام ہندوستان میں مسلم کش فسادات کے نازک ایام میں مسلم قیادت کی نئی نسل نے جو ملی پارلیامنٹ کے قیام کے لئے جمع ہوئی تھی اس احساس کا شدت سے اظہار کیا کہ عملی طور پر سیکولر جمہوریت ایک دستوری فراڈ سے زیادہ کچھ نہیں۔ جس کا واحد مقصد بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو سیاسی غلام بنائے رکھنا ہے۔

ملی پارلیامنٹ کی کمیٹی برائے سیاسی امور جو بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے ایک منصفانہ سیاسی متبادل کی تلاش کے لئے قائم کی گئی تھی وہ طویل غور و فکر، صلاح و مشورے اور قانونی پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ موجودہ الیکشنی نظام میں مسلمانوں کا سرے سے کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہو سکتا۔ لہذا ضرورت ہے کہ بعض بنیادی نوعیت کی تبدیلیوں کے لئے راستہ ہموار کیا جائے۔ اگر کھیل کے غیر منصفانہ اصول نے ہمارے لئے فتح کے سارے دروازے بند کر رکھے ہیں تو نئے سرے سے اصول ترتیب دئے جائیں اور اگر کوئی مخصوص سیاسی نظام سیاسی انصاف کی ضمانت دینے میں بری طرح ناکام رہا ہے تو ایک نئے سیاسی نظام کی ترتیب و تشکیل کے لئے منصوبے بنائے جائیں۔

بہت کچھ غور و فکر کے بعد آج ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس ملک میں سیاسی انصاف کے قیام کے لئے جلد از جلد سیاسی نظام کو بدل ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اب اس ملک میں بیس کروڑ کی عظیم عددی قوت کو اقلیت باور کرایا جانا مزید ممکن نہیں۔ دنیا کی تاریخ میں شاید کوئی دوسری مثال نہ مل سکے جب اتنی بڑی عددی قوت کو نصف صدی تک مسلسل اقلیت باور کرایا جاتا رہا ہو اور ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دیا گیا ہو جس میں سماجی انصاف، سیاسی آزادی، انسانی حقوق اور جمہوری اقدار کے خوشنما نعروں کے جلو میں دراصل اکثریت کا قاہرانہ تسلط قائم کردیا گیا ہو۔ ہندوستانی مسلمانوں کی نئی نسل آج اس مروجہ سیاسی نظام کو یکسر کالعدم قرار دیتی ہے اور سیاسی انصاف کے رہنما اصولوں کی روشنی میں اس ملک کے باسیوں کو دعوت عام دیتی ہے کہ وہ مستقبل کے ہندوستان کا ایک خاکہ تیار کریں۔ ایک ایسے نظام کی تشکیل کی کوشش کریں جس میں ہر شخص، عقیدے، مذہبی گروہ اور نظریاتی جماعتوں کو زندگی جینے کے یکساں مواقع حاصل ہوں۔ اور اس راہ میں پہلے مرحلے کے طور متناسب نمائندگی کی بنیاد پر جداگانہ طریقہ انتخاب کو عمل میں لاتے ہوئے ایک منصفانہ سیاسی نظام کے قیام کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ جداگانہ انتخاب کوئی ایسی خطرناک اصطلاح نہیں ہے جس سے ہم خوف کھائیں یہ کوئی نئی سیاسی بدعت نہیں ہے۔ ماضی میں بھی اس طریقہ انتخاب کا استعمال مختلف معاشروں میں عام رہا ہے۔ قبرص، بوہیمیا اور ماقبل تقسیم ہندوستان اس قبیل کی بہترین مثالیں ہیں۔ جہاں مذہبی یا نسلی گروہ اپنے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرنے کا حق رکھتے تھے۔ یہ خوف بھی بے جا ہے کہ جداگانہ طریقہ انتخاب کو عمل میں لانے سے نئے پاکستان بننے کے راستے کھلیں گے۔ پاکستان کا بننا جداگانہ طریقہ انتخاب کو تسلیم کئے جانے کی وجہ سے ممکن نہیں ہوا بلکہ اس طریقہ انتخاب کی مخالفت کرنے والی قوتوں نے دراصل قیام پاکستان کے لئے جواز فراہم کیا۔ آج بھی ملک کو یکجا رکھنے کے لئے سیاسی انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا لازم ہوگا۔ لہذا اس ملک کو ایک پر امن معاشرے میں تبدیل کرنے اور علیحدگی پسندوں کے غبارے سے ہوا نکالنے کے لئے لازم ہوگا کہ متناسب نمائندگی کے فارمولے کو فوری طور پر تسلیم کرلیا جائے۔ سماجی انصاف کے دوسرے

> ملک کی موجودہ صورت حال کے پیش نظر تاریخ کی قوت ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ اس ملک کو شکست و ریخت کے عمل سے بچانے کے لئے منصفانہ سیاسی فارمولوں کی وکالت کریں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس ملک کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے بعض بنیادی نوعیت کے سیاسی فیصلے لینے کا وقت آگیا ہے۔ یہ سیاسی بل دراصل اس سمت ایک قدم ہے۔

شرکاء اجلاس کا ا

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 — 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

رہمہ گیرانارکی کی طرف بڑھ رہا ہے

نی میں ایک نئے نظام حکومت کی داغ بیل کی ضرورت ہے

یش کیے گئے مسلم سیاسی بل کا متن

مرحلے میں عظیم ہندوستان کو مختلف ثقافتی گہوارے کے وفاق میں تبدیل کردئے جانے کا منصوبہ ہے۔

ملک کی موجودہ سنگین صورت حال، سیاسی عدم توازن، سماجی انتشار اور اس کے ٹوٹ جانے کے شدید خطرات کے پیش نظر تاریخ کی قوت آج ہمیں اس بات پر مجبور کررہی ہے کہ اس ملک کو شکست و ریخت کے عمل سے بچانے کے لئے منصفانہ سیاسی فارمولوں کی وکالت کریں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کی ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لئے بعض بنیادی نوعیت کے سیاسی فیصلے لینے کا وقت آگیا ہے۔ یہ سیاسی بل دراصل اسی سمت ایک قدم ہے۔

اول: دستوری ترامیم:۔

(۱) اسلام کی رو سے مومن کی پوری زندگی خواہ وہ نجی ہو یا سماجی قرآن کے تابع ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کے علاوہ کسی اور نظام کا اتباع مومن کے لئے کفر کے مترادف ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو اس ملک کا نظریاتی شہری بنانے کے لئے دستور میں ان ضروری شقوں کا اضافہ کیا جائے جو مسلمانوں کے لئے مکمل اسلامی زندگی کی ضمانت دے سکے۔

(۲) مسلمان کے لئے اسلام محض ایک نجی

اس کا ایک منظر

معاملہ نہیں ہے اس لئے مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی پر اسلامی نظام کی عملداری قائم کرے۔ موجودہ نظام حیات میں عملی طور پر ایسا مشکل ہوگیا ہے۔ دستور اس ملک کے کارواں کو یونیفارم سول کوڈ کی طرف لے جانا چاہتا ہے تو قرآن کا مطالبہ ہے کہ مسلمان قرآنی سول کوڈ کی طرف معاشرے کے کارواں کو گامزن کردیں۔ ہندوستانی دستور اور الٰہی احکامات میں اس واضح ٹکراؤ کو دور کیا جائے تاکہ مسلمانوں میں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کے وسیع مفہوم کا احساس پیدا ہو۔ اور دستور ہند کے اسلامی احکامات سے متصادم ہونے کا خیال ختم ہو۔

(۳) خدا کی نازل کردہ شریعت صرف مسلمانوں کی میراث نہیں ہے بلکہ وسیع انسانی سماج کو چلانے کے لئے بہترین ہدایت ہے۔ اس لئے انسانی معاشرے کے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے انسانوں کے خود ساختہ قوانین، تعزیراتی حدود اور نیک و بد کے پیمانے کو حتمی قرار دینے کے بجائے الٰہی قوانین کو رہنما اصولوں کے طور پر تسلیم کرلیا جائے۔ ملک میں جاری سیاسی نظام کا یکسر خاتمہ کیا جائے اور اس کی جگہ سماجی انصاف کے لئے رہنما قرآنی اصولوں کی روشنی میں ایک نئے نظام حکومت کی داغ بیل ڈالی جائے۔

(۴) یہ بات تسلیم کی جائے کہ ہر انسان خواہ مرد ہو یا عورت، گورا ہو یا کالا، امیر ہو یا غریب، نیچی ذات کا ہو یا اونچی ذات کا ہر کوئی اللہ کی مخلوق ہے۔ لہٰذا ایک ایسا سیاسی نظام وضع کیا جائے جس میں کسی کو کسی پر سبقت حاصل نہ ہو۔ سوائے اس کے جو لوگ اللہ سے نسبتاً زیادہ ڈرنے والے ہوں۔

دوم: سیاسی نظام کی اصلاح:۔

(۱) گذشتہ پچاس سالہ سیاسی تجربے نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ موجودہ سیاسی نظام کے اندر مسلمانوں کی سیاسی ترقی تو کجا خود ان کی سیاسی بقا کا سوال مشکل ہے۔ مروجہ انتخابی طریقہ کار نے اس ملک میں بعض ایسی اسمبلیوں کو جنم دیا ہے جن میں نام کو بھی کوئی مسلمان ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ الیکشن کے مروجہ طریقے کو یکسر تبدیل کردیا جائے۔

(۲) سماجی انصاف کے قیام کے لئے متناسب نمائندگی کی بنیاد پر جداگانہ طریقہ انتخاب کو عمل میں لایا جائے تاکہ اس ملک میں بسنے والی ہر لسانی مذہبی اور نظریاتی اکائی ملک کی ترقی کے منصوبوں میں یکساں جوش و خروش کے ساتھ حصہ لے سکے۔

(۳) گذشتہ چند برسوں میں بعض مذہبی اکائیوں میں یہ احساس بڑی شدت اختیار کرتا گیا ہے کہ ملک کے موجودہ سیاسی نظام میں ان کی فلاح و بہبود کا امکان معدوم ہے اور یہ کہ اقلیتیں اس جمہوری نظام میں اکثریت کے قہر کے نیچے پس پر رہ گئی ہیں۔ اس احساس نے ملک کے مختلف حصوں میں علیحدگی پسندی کی تحریکوں کو جنم دیا ہے۔ جداگانہ طریقہ انتخاب علیحدگی پسندی کی تحریکوں کے غبارے سے ہوا نکالنے کے لئے موثر نسخہ ثابت ہوگا۔

(۴) مختلف نظریاتی، تہذیبی اور مذہبی قومیتوں کی صحیح تعداد کا اندازہ کرنے کے لئے مرکزی سطح پر ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جس میں متعلقہ قومیتوں کے نمائندہ افراد کو شامل کیا جائے اور اس مقصد کے لئے ملک گیر سطح پر غیر جانبدارانہ مردم شماری کا ایک ایسا ہمہ گیر منصوبہ بنایا جائے جس کی توثیق ہندوستانی مسلمانوں کی ملی پارلیامنٹ نے کردی ہو۔

پٹنہ اجلاس میں سیاسی بل پر غور و خوص

(۵) مردم شماری کے عمل میں مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنے کے لئے مرکزی، صوبائی، ضلعی اور بلاک کی سطح تک ان خصوصی مسلم اہل کاروں کا تقرر کیا جائے جو امت کے نزدیک قابل اعتبار ہوں۔

(۶) لوک سبھا میں متناسب نمائندگی کے فارمولے کو عمل میں لاتے ہوئے ۱۱۹ نشستوں پر ملک گیر سطح پر مسلم رائے شماری کرائی جائے اور پھر زیادہ ووٹ پانے والے امیدواروں کو منتخب قرار دیا جائے۔

(۷) ہندوستان جیسے وسیع ملک کا سیاسی نظام چلانے کے لئے مناسب ہوگا کہ اسے چھوٹے چھوٹے وفاق میں تقسیم کردیا جائے۔ اس طرح پورے ملک پر یوپی اور بہار کے سیاسی تسلط کا احساس بھی کم ہوگا اور دوسری طرف چھوٹے چھوٹے صوبے اپنی ترقی کی رفتار کو زیادہ منظم انداز سے جاری رکھ سکیں گے۔ یوروپ کے چھوٹے چھوٹے ممالک کی بے پناہ ترقی اور سوویت یونین جیسے وسیع و عریض خطے کے معاشی دیوالیہ پن سے سبق لیا جانا چاہئے۔

(۸) سیاسی، مذہبی، جغرافیائی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر ہندوستان کو وفاقوں کے اجتماع میں بدلنے کے لئے ۱۲۲ چھوٹے چھوٹے خود مختار وفاق میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یہ سارے وفاق خود مختار ہوں۔ البتہ ان کی خارجہ پالیسی اور دفاع کا کام مرکز کے زیر نگرانی ہو۔

(۹) ان مختلف وفاق کو تاریخی، تہذیبی اور مذہبی آبادی کے اجتماع کی بنیاد پر مخصوص تہذیبوں کا گہوارہ قرار دیا جائے اور اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ہندوستان کی کوئی تہذیب ریاستی سرپرستی سے محروم نہ رہ گئی ہو۔

(۱۰) ان تمام تہذیبی وفاق کو کلی طور پر غیر عسکری زون قرار دیا جائے تاکہ عسکری سرگرمیوں کے لئے ان حکومتوں کو کوئی گنجائش حاصل نہ رہے اور وفاق کے باہمی نزاع میں قوت کے استعمال کا دور دور تک کوئی امکان نہ پایا جائے۔

(۱۱) ان وفاق میں پائی جانے والی اقلیتوں یا کسی خاص ریاست کی معاشی خوشحالی کے پیش نظر دوسری ریاستوں سے آکر آباد ہونے والی تہذیبی اقلیات کو پھلنے پھولنے کا یکساں موقع فراہم کیا جائے۔ البتہ وہ اگر اپنی تہذیبی ضرورتوں کے پیش نظر متعلقہ تہذیبی ریاست کی طرف دیکھتی ہوں تو اسے دستوری طور پر معتبر سمجھا جائے اور اس بارے میں ان کے اندر یہ احساس پیدا کیا جائے کہ وہ کسی ایک مقامی ریاست کے شہری نہیں بلکہ وسیع تر ہندوستانی وفاق کے شہری ہیں۔

سوم: ثقافتی اصلاحات:۔

(۱) اس حقیقت کے پیش نظر کہ ثقافتی اظہار کو تاریخ اور مذہب سے جدا نہیں کیا جاسکتا یہ کہنا کہ کوئی معاشرہ اپنے ثقافتی اظہار میں خالصتاً سیکولر ہوسکتا ہے ایک لغو خیال ہے۔ گویا ہندوستانی سیکولرزم کو ایک نئی تعبیر کی ضرورت ہے اور اگر اس تعبیر کو Pluralism کے وسیع مفہوم میں لیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ گذشتہ پچاس سالوں میں سیکولرزم کے نام پر اکثریتی فرقہ کی ثقافت کو فروغ دیا جاتا رہا ہے۔ سرکاری تقریبات میں ہندووانہ رسم و رواج کی پاسداری نے مسلمانوں کے اندر ایک شدید

باقی صـ۱۳ـ پر

(بقیہ: صدارتی خطبہ)

کفر کے ٹھہرے پانی میں اسلامی انقلاب کا پہلا پتھر ہمیں ہی پھینکنا ہے

بیس کروڑ ہندوستانی مسلمان قرآن کے علاوہ نظام حیات کے ہر تصور کو کالعدم قرار دیتے ہیں اور بلا خوف وخطر اس آرزو کا اظہار کرتے ہیں کہ ان کی زندگی کا اولین مقصد اس ملک میں ایک ایسے نظام کا برپا کرنا ہے جو خدا کی کتاب اور رسول کی سنت کی اتباع پر قائم کیا گیا ہو۔ آج کا یہ دن تجدید ایمان کا دن ہے۔ آج ہم یہ عہد کرتے ہیں کہ جو وقت غفلت میں گزرا سو گزرا اب ہم رسول کی محبت کو ایک لمحے کے لئے بھی اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دیں گے۔ ہمیں یہ ہرگز گوارا نہیں کہ ہم رسول کی قیادت کے علاوہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر کسی اور کی قیادت قبول کرلیں۔

یہ بات بھی آپ کی نگاہوں سے اوجھل نہ رہے کہ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑی مسلم آبادی کا ملک ہے۔ یہ بیس کروڑ اہل ایمان کا مسکن ہے۔ اتنی بڑی عددی قوت کو اقلیت قرار دینا ایک کھلی سازش ہے۔ اقلیت و اکثریت کی اصطلاحیں دراصل نظام کفر کی اصطلاحیں ہیں جو اہل ایمان کو ان کی اصل قوت کے ادراک سے روکتی ہیں۔ ہمیں ان غیر قرآنی اصطلاحوں سے احتراز کرنا چاہئے۔ شریعت کی رو سے انسانوں کے گروہ کو صرف دو خانوں میں بانٹا جاسکتا ہے۔ ملت کفر اور ملت ایمان۔ ایک کو دوسرے سے ازلی بیر ہے۔ اور دونوں کا ایک ہی معاشرے میں گھل مل کر رہنے کا خیال بھی لایعنی ہے۔ ہم اس تاریخی حقیقت سے بھی انکار نہیں کرسکتے کہ اس ملک کو کوئی ہزار سال تک دارالاسلام کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ تاریخی اعتبار سے ہندوستان کا شمار مسلم دنیا کے ایک اہم ملک میں ہوتا رہا ہے۔ یہ بہت پرانی بات نہیں جب تاریخ کے بعض حوادث کے نتیجے میں شوکت اسلام کی نمائندہ عظیم الشان سرزمین پر اہل ایمان کی سیاسی قیادت کا چراغ گل ہوگیا۔ قوموں کی تاریخ میں ایسے حوادث تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ زندہ قومیں پسپائی کو بھی فتح میں بدل ڈالنے کا ہنر جانتی ہیں۔ پھر آخر کیا بات ہے کہ نظام کفر کی صرف پچاس سالہ حکمرانی نے آپ کے کس بل نکال دئے ہیں۔ آپ کے دلوں میں اب یہ خیال بھی مشکل سے ہی آتا ہے کہ آپ اس عظیم خطہ زمین کو مومن سیاسی قیادت دینے کے لئے پھر سے اپنی تلواریں نیام سے نکال لیں۔

اس ملک کی تباہ حالی، وسائل کا اتلاف، معاشی ناہمواریاں، سماجی بے چینی اور ملک میں ہر لمحہ جاری خانہ جنگی کی سی کیفیت آپ سے پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ ایک بار پھر اس سرزمین کو آپ کی قیادت کی ضرورت ہے۔

ملکی سطح پر آئے دن بڑے بڑے گھپلوں سے پردہ اٹھتا رہتا ہے۔ ایک کے بعد دوسرے گھپلے کے انکشاف کا سلسلہ جاری ہے۔ ہم نے اخلاقی طور پر اس صورت حال کو قبول کر رکھا ہے۔

گذشتہ چار سالوں سے کشمیر میں جنگجوؤں سے نمٹنے کے نام پر بڑے پیمانے پر فوجی کارروائی جاری ہے۔ ملکی وسائل کو انتہائی بے دردی کے ساتھ اس خطے میں ضائع کیا جارہا ہے۔ کبھی سری لنکا میں مہم جوئی کی جاتی ہے تو کبھی گلیشیر پر لایعنی جنگ کے لئے وسائل داؤ پر لگادئے جاتے ہیں۔ اس بے مقصد پالیسی پر روک لگانے والا کوئی نہیں۔ اس ملک کے باشندوں کی ایک بہت بڑی تعداد دانے دانے کو ترستی ہے، بچے تعلیم سے محروم ہیں، صحت کی دیکھ ریکھ کے لئے کوئی معقول انتظام نہیں۔ نہ جانے کتنے نونہالوں کے دلوں میں پلنے والے مستقبل کے خواب ہر لمحے ٹوٹتے بکھرتے رہتے ہیں۔ لیکن ان ضروری اور بنیادی مسائل سے توجہ ہٹا کر ملک کے وسائل کا ایک بڑا حصہ اسلحوں کی تیاری اور نیو کلیائی مادوں کے حصول میں ضائع کیا جارہا ہے۔ ملک کے وسائل کو آخر کب تک ہم یوں تباہ ہوتا ہوا دیکھتے رہیں گے۔ اس ملک کے بیس کروڑ اہل

> ملی پارلیامنٹ کے اس انقلابی مشن کو قبل از وقت اقدام بتانے کے بجائے ضرورت ہے کہ آپ اپنی ایمانی حالت کی درستگی کی فکر کریں، اور بار بار اپنا احتساب کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ کہیں آپ کے دلوں میں خدائے واحد کے خوف کے علاوہ ان کفار و مشرکین کے ظاہری دبدبے نے تو جگہ نہیں لے لی ہے۔

ایمان پر لازم ہے کہ وہ اس وطن عزیز کو ایک صالح قیادت دینے کے لئے اپنی تیاری تیز تر کردیں۔

ہماری ان باتوں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوؤں کے خلاف منظم کرنا چاہتا ہوں۔ نہیں! ہرگز نہیں! ہم کسی بھی قوم کے مخالف نہیں۔

ہم تو مسلمانوں کو صرف ان کا وہ بھولا ہوا سبق یاد دلانے اٹھے ہیں کہ خدا کے آخری رسول کی امت کی حیثیت سے، ان کا کام ہے کہ وہ اس ملک کے دبے کچلے عوام کو نظام کفر کے جابر پنجوں سے چھٹکارا دلائیں۔ ہم ان شاطر حکمرانوں کے خلاف ہیں جنہوں نے ایک شیطانی نظام کی ترتیب کے ذریعہ ملک کے پچاسی فیصد عوام کو اس ملک کے پچاسی فیصد وسائل سے محروم کر رکھا ہے۔ پندرہ فیصد لوگ پچاسی فیصد وسائل پر قابض ہیں۔ ہم اس صورت حال کو بدل ڈالنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک منصفانہ سیاسی نظام کے قیام کے لئے آج ہم سر جوڑ کر بیٹھے ہیں۔

برادران گرامی اور دختران ملت! آیئے آج اس بات کا مصمم ارادہ کریں کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمان اب اس ملک کو خاموش تماشائیوں کی طرح لٹتا ہوا نہیں دیکھیں گے۔ خدا کے باغیوں کو اب اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ خدا کی اس سرزمین پر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم رکھیں۔ اب اس ملک میں کمزوروں کو ستانے کا رواج ختم ہوگا۔ مظلوم کی آہ رائیگاں نہیں جائے گی۔ ہر کمزور کو سہارا ملے گا اور ہر ظالم کے ہاتھ سے قوت سلب کرلی جائے گی۔ مٹھی بھر یہ اہل ایمان تہی دست سہی لیکن اگر انہیں اپنے رب کی ذات پر بھروسہ ہے تو یہ ایک ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل ہوسکتے ہیں اور اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر اہل ایمان اپنی بات پر جم گئے تو وہ مدد کے لئے آسمانوں سے فرشتے نازل کرے گا۔ پھر آخر کیا وجہ ہے کہ آپ فرشتوں کی رفاقت سے منہ موڑ کر اہل کفر کی حاشیہ نشینی کو ترجیح دیتے ہیں

انقلابی عمل کے کسی بھی مرحلے میں ہمیں انتہائی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہوگی تاکہ کم سے کم قوت کے صرفے پر زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جاسکیں۔ انقلابی عمل محض کود پڑنے، فلک شگاف نعرے بلند کرنے یا جان و مال کی قربانی کا نام نہیں بلکہ ان عوامل کو کمال احتیاط سے برتنے کا نام ہے۔ پھر اس کے لئے وہ اطمینان قلب و آمادگی بھی ضروری ہے جو اس مشن کے حاملین کا خاصہ ہوا کرتا ہے۔ آپ کی نگاہیں دشمنوں کی توپ و تفنگ یا ٹینکوں اور راکٹوں سے مرعوب ہونے کے بجائے ان آسمانوں کی طرف اٹھتی ہوں جہاں سے فرشتوں کے اتارنے کا وعدہ ہے۔

ہماری انقلابی دعوت پر امت کے بعض مخلص بڑے بوڑھوں نے انتہائی محتاط ردعمل کا اظہار کیا ہے۔ وہ ایک طرف ہمارے احساسات سے اتفاق کا اظہار کرتے ہیں تو دوسری طرف وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ابھی ملک میں کسی ایسی تبدیلی کے لئے فضا سازگار نہیں ہے۔ بعض لوگ نظام کفر کے انکار میں دل سے ہمارے ساتھ ہیں البتہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی زبان سے اس انکار کا وقت نہیں آیا ہے۔ بعض مخلصین نے اس بات کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ نئی صبح کے آرزومند ابھی تھوڑے ہیں اور اس لئے اس کام کو مناسب وقت کے لئے ملتوی کردینا چاہئے۔ لیکن

> ایک قسم ان درباری علمائے کرام کی ہے جنہوں نے قال اللہ اور قال الرسول کے حوالے سے اپنی ناانقلابی دنیا دار شخصیت کے گرد تقدس کی طناب کھینچ رکھی ہے ایسے انقلابی عمل کو روکنے میں ان کا رول زیادہ ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کفر کے ساکت سمندر میں جب تک پتھر نہیں پھینکا جاتا لہروں کا ارتعاش عمل میں نہیں آتا۔ دیر یا سویر ٹھہرے پانی میں انقلاب کا پہلا پتھر تو ہمیں ہی پھینکنا ہے۔ رہی بات کسی مناسب وقت کے لئے اس کام کو اٹھا رکھنے کی تو واقعہ یہ ہے کہ ہم نے بہت انتظار کیا۔ ہم نے ان ناصحانہ مشوروں کے طفیل کوئی نصف صدی گنوادی۔ جو لوگ مزید انتظار کا مشورہ دیتے ہیں وہ دراصل اس امت کو درپیش سنگین صورت حال سے چشم پوشی کرتے ہیں

جو لوگ انقلاب کی تاریخ سے واقف ہیں وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کریں گے کہ انقلابی عمل کی ابتداء کے لئے وقت آتا نہیں بلکہ لایا جاتا ہے

ملی پارلیامنٹ کے اس انقلابی مشن کو قبل از وقت اقدام بتانے کے بجائے ضرورت ہے کہ آپ اپنی ایمانی حالت کی درستگی کی فکر کریں اور بار بار اپنا احتساب کرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ کہیں آپ کے دلوں میں خدائے واحد کے خوف کے علاوہ ان کفار و مشرکین کے ظاہری دبدبے نے تو جگہ نہیں لے لی ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اس ملک میں اسلامی علوم کے ادارے، معروف دینی درسگاہیں، چھوٹے بڑے مدارس، اہل دل کی خانقاہیں اور علماء و مشائخ کے حلقوں سے اللہ کی کبریائی کے اس اعلان کو پرجوش تعاون ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کی مختلف سطح کی مذہبی اور روحانی قیادت اس ملک میں ایک نئی صبح کے قیام کے لئے کسی بھی ممکنہ قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا جب بھی میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹوں گا۔ نتائج کی پرواہ کئے بغیر میری کوشش جاری رہے گی۔ مجھے بھروسہ ہے کہ میرا رب مجھے ضائع نہیں ہونے دے گا۔

میں ایک طویل غور و فکر اور ذاتی تجربے کی روشنی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس ملک میں ایک نئی صبح کے قیام کو مؤخر کرنے میں معروف اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلے میں سیکولر جادوگر مسلم دوست سیاسی تنظیمیں اور سیاسی قسم کے مسلمان زیادہ فعال کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ مسلمانوں کے نام نہاد ہمدرد ہوں، سیکولر بازیگر ہوں، سیاسی جماعتیں ہوں یا ان جماعتوں میں متحرک نظر آنے والے سیاسی مسلمان ہوں۔ یہ سب کے سب موجودہ نظام جبر کو برقرار رکھنے میں ہی اپنی خیر سمجھتے ہیں۔ یہ کچھ دے دلا کر مسلمانوں کو اپنی اصل قوت کے ادراک سے روکتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک قسم ان درباری علمائے کرام کی ہے جنہوں نے قال اللہ اور قال الرسول کے حوالے سے اپنی ناانقلابی دنیا دار شخصیت کے گرد تقدس کی طناب کھینچ رکھی ہے۔ ایسے انقلابی عمل کو روکنے میں ان کا رول اول الذکر سے زیادہ ہے کہ یہ حضرات اپنے ہر مکروہ عمل کے لئے کتاب و سنت سے دلیل لانے میں انتہائی بے باک اور جان بوجھ کر حق کو چھپانے میں انتہائی جری ہیں۔ ان کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کی رسائی وزیروں کے ایوانوں تک ہو۔ وزرائے اعلیٰ اور وزیر اعظم ان سے مل کر خوش ہوں، ان کے چھوٹے موٹے کام ہوتے رہیں اور بس۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ رسول کی نیابت کا فریضہ انجام دینے والے کفار و مشرکین کی صحبت پر فخر کریں۔ اے کاش کہ انہیں اپنی عزت نہ سہی آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا ہی احساس ہوتا۔

گذشتہ دنوں میرے اور روایتی دینی قیادت کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی گئی۔ بعض محترم حضرات نے مجھے گرم الفاظ کھلانے والا القائد بھی بتایا۔ کبھی کبھی ہماری بعض معروضات ان حضرات پر گراں بھی گزریں۔ لیکن ہر بار ہم نے یہی بتانے کی کوشش کی کہ خدارا آپ ہمارے درد کو اپنا درد سمجھئے کہ یہ درد واقعتا اتنا اپنا ہے کہ آپ اس سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے۔ نہ تو اس کا علاج موجودہ سیاسی نظام میں ہے اور نہ ہی بار بار ملحد و مشرک سیاسی آقاؤں کے دروں پر حاضری اس مسئلے کا حل ہے۔

مسائل کی اس سنگینی کے پیش نظر ملی پارلیامنٹ نے بعض بنیادی اقدامات کا فیصلہ کیا ہے۔ ایک منصفانہ سیاسی نظام کی خواہش گویا اس بات سے عبارت ہے کہ اب موجودہ نظام کے اندر ہمارا سانس لینا مشکل ہے۔ پٹنہ کے اس اجلاس میں بحث کا یہ موضوع بہت سوچ سمجھ کر منتخب کیا گیا ہے۔ ہم نے مسلم سیاسی بل کو اس اجلاس میں پیش کرنے کا فیصلہ صرف اس لئے نہیں کیا ہے کہ سیاسی بل کے مندرجات اہم ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ ایک نئے سیاسی رویے کی تشکیل کے بغیر اس ملک میں مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے اس تاریخی اجتماع میں ایک نئے سیاسی مستقبل کے خواب کی منتقلی کے بعد آج میں اپنے آپ کو کچھ ہلکا ہلکا سا محسوس کر رہا ہوں۔ مدت سے میرے دل پر ایک بوجھ تھا کہ نئی دنیا کا جو خواب اللہ نے میرے دل پر منکشف کیا ہے اسے نئی صبح کے قیام کے آرزومندوں تک منتقل کردوں۔ کفار و مشرکین کی سیاسی غلامی سے اس امت کو نجات دلانے کے لئے جو داعیہ اللہ نے میرے دل میں پیدا کیا ہے اسے بروئے کار لاتے ہوئے ایک مؤثر انقلابی عمل کی بنیاد رکھ دوں اور ملک بھر میں مجھ سے بھی زیادہ اسلامی انقلاب کے لئے مضطرب آرزومندوں کو ایک لڑی میں پرو کر ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل کردوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس خواب کی عملی تعبیر کے لئے سعید روحوں کے اس اجتماع کو آج عملی طور پر ممکن کر دکھایا۔

نظام کفر کے منکر اس تاریخی اجتماع سے ایک ایسا انقلابی پیغام لے کر جائیں گے جس سے ملک بھر میں انقلابی سرگرمیوں کو منظم کرنے کا کام لیا جائے گا۔

ملک کو ہر قسم کی ناانصافیوں سے پاک کیا جائے گا۔ خدا کے باغی بندوں سے اس ملک کی زمام اقتدار چھین لی جائے گی اور نظام عدل کے قیام سے ایک ایسی فضا پیدا ہوگی جہاں اس ملک کے مجبور و مقہور باشندے صرف اور صرف ایک رب کی اطاعت میں جینے کا لطف لے سکیں گے۔

نئی صبح کے قیام کی ابتداء آپ سب کو مبارک ہو

●●●

بقیہ: ہر مذہبی گروہ کو اپنی علیحدہ شناخت کے لئے منشور پیش کرنے کو یقینی بنایا جائے

احساس محرومی کو جنم دیا ہے۔ جس کے ازالے کے لئے لازم ہے کہ مسلم ثقافتوں کے اظہار کے لئے مسلم اکثریت کے علاقوں میں سرکاری سطح پر اس کا نظم کیا جائے۔ گویا یہ مسلم تہذیبی وفاق سے وجود میں آنے سے قبل کی ایک عبوری شکل ہوگی۔

(۲) روزمرہ کی زندگی سے ہندو ثقافت کے اظہار کی موجودہ شکلوں کو ختم کرنا نہ تو عملاً ممکن ہے اور نہ ہی یہ مسئلے کا حل ہے لہٰذا تہذیبی اظہار کے طریقے کی اصلاح کے بجائے اس بات پر زور

دستور میں دی گئی مذہبی آزادی امت مسلمہ کے لئے ہمیشہ ناکافی محسوس ہوئی ہے اور اس ملک میں مسلمان وقتاً فوقتاً تحفظ شریعت کی مہم چلاتے رہے ہیں۔ لازم ہے کہ مذہبی آزادی کے واضح تصور کو دستور سے ہم آہنگ کیا جائے۔

دیا جائے کہ مسلم ثقافتی اظہار کے لئے بھی یکساں اور موثر مواقع فراہم ہو سکیں۔

(۳) ہندوستانی وفاق کو ایک لسانی رابطے میں مربوط رکھنے کے لئے ہندی اور اردو کے جھگڑوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ایک ایسی زبان تشکیل دی جائے جو ہندی اور اردو کے ذخیرہ الفاظ کی بنیاد پر رومن رسم الخط میں لکھی جائے تاکہ کسی ایک مذہبی اکائی کو کسی دوسری پر سبقت پانے کا احساس نہ ہو۔ البتہ متعلقہ تہذیبی ریاستوں میں اپنی پسند کے رسم الخط یا اپنی پسند کی زبان کو سرکاری سرپرستی عطا کرنے کا پورا موقع رہے۔

(۴) وفاقی حکومت مختلف ریاستوں کے یا ان ریاستوں میں پائی جانے والی یا اپنی مرضی سے آکر آباد ہونے والی اقلیات کی ثقافتی ضروریات کے لئے خصوصی طور پر مرکز میں ادارے قائم کرے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ وفاقی فنڈ سے کسی مخصوص ثقافت یا تہذیب کی سرپرستی کا کام انجام نہ پائے۔

چہارم: احساس تحفظ کے لئے ضروری اقدامات:—

(۱) مجوزہ وفاق میں حکومتیں اس بات کو یقینی بنائیں کہ انسانی جان کی حفاظت ان کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ کسی بے گناہ کا خون بہنے سے روکا جائے۔ وفاقی حکومت کو یہ حق حاصل ہو کہ کسی شہری کے ناحق خون پر وفاق کا ہنگامی اجلاس طلب کر سکے۔ ریاستوں کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنی حدود میں ناحق مرنے والوں کے جرم کی تلافی کے لئے تین دن کے اندر ورثاء کو ایک خطیر رقم عطا کریں۔ تاخیر کی صورت میں مجوزہ رقم سے کئی گنا زیادہ ادا کرنے کو یقینی بنایا جائے۔

(۲) افراد ہی نہیں بلکہ ریاستوں سے بھی ہتھیاروں کے استعمال کی اجازت سلب کر لی جائے۔ دہشت گردی خواہ ریاستی ہو یا فرد واحد کی طرف سے اسے یکساں قابل مذمت سمجھا جائے اور ایک ایسا ماحول پیدا کیا جائے جہاں دور دور تک ہتھیار دکھائی نہ دیں۔

(۳) انسانی آزادی کے تحفظ کے لئے ہر ممکن پروگرام ضرور وضع کیا جائے۔ البتہ اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ ریاستیں اس کا بہانہ بنا کر اظہار خیال کی آزادی اور نظریے کی تبلیغ پر کوئی پابندی عائد نہ کر سکیں۔

پنجم: مذہبی آزادی کا مسئلہ:—

(۱) اس حقیقت کے پیش نظر کہ اسلام کا تصور دین دوسرے ادیان کے تصور مذہب سے قطعاً مختلف ہے اور یہ کہ اسلام زندگی کے

شرکاء اجلاس کا ایک منظر

ہر گوشے میں اپنے ماننے والوں سے واضح مطالبات رکھتا ہے۔ دستور میں دی گئی مذہبی آزادی امت مسلمہ کے لئے ہمیشہ ناکافی محسوس ہوئی ہے اور وقتاً فوقتاً اس ملک میں مسلمان شریعت کے تحفظ کی مہم چلاتے رہے ہیں۔ لازم ہے کہ مذہبی آزادی کے واضح اسلامی تصور کو دستور سے ہم آہنگ کیا جائے۔

(۲) گذشتہ پچاس سالوں کے دوران امت مسلمہ کو شدت سے اس بات کا احساس رہا ہے کہ مذہبی آزادی کے وعدے ان کے مذہبی عزائم کا ساتھ نہیں دیتے۔ اور اس بارے میں دستور کی دفعہ ۴۴ کو بھی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سمت دستور کی ان تمام شقوں میں تبدیلیاں لائی جائیں جو کسی بھی درجے میں امت مسلمہ کی مذہبی آزادی پر روک لگاتی ہوں۔

(۳) اس حقیقت کے پیش نظر کہ مسلمانوں کی ایک بڑی آبادی مکاتب اور مدارس میں تعلیم پاتی ہے اور یہ کہ اسلامی علوم کا حصول مسلمانوں پر عائد کردہ ایک مذہبی ذمہ داری ہے، وفاقی حکومت کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو اس مذہبی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں ہر طرح کی سہولتیں فراہم کرے۔ اور آبادی کے تناسب کے اعتبار سے مسلم تعلیمی اداروں کے لئے تعلیم کے مرکزی بجٹ سے حصہ مختص کرے۔ اور اس کے نفاذ کا کام فی الحال مسلم انجمنوں اور مستقبل میں نئے ہندوستان کی مسلم ریاستوں کو سونپ دیا جائے۔

(۴) پچاس سالہ سیکولر تجربے کی روشنی میں اب اس بات کے واضح ہو جانے پر کہ ثقافتی طریقہ اظہار کو مذہب سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور یہ کہ ہر مذہبی گروہ کو اس ملک میں اپنے اپنے انداز سے زندگی جینے کی مکمل ضمانت دینے کے لئے ضروری ہے کہ مرکز میں مختلف مذاہب، نظریاتی گروہ کے لئے الگ الگ سیل قائم کئے جائیں جو وزارت مذہبی امور کے تحت اپنے فرائض انجام دیں۔ البتہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ ہر مذہبی گروہ اپنی علیحدہ شناخت کے قیام کے لئے کوئی متفقہ تحریری منشور ضرور پیش کرے۔ خواہ یہ مذہبی کتابوں کی شکل میں ہوں یا انجمنوں، اداروں اور نظریات کی بنیاد پر وجود میں آنے والے مذہبی گروہ کی شکل میں۔ نیز اس بات کو بھی یقینی بنایا جائے کہ کسی مذہبی گروہ پر اس کی مرضی کے بغیر کوئی لیبل نہ تھوپا جا سکے۔
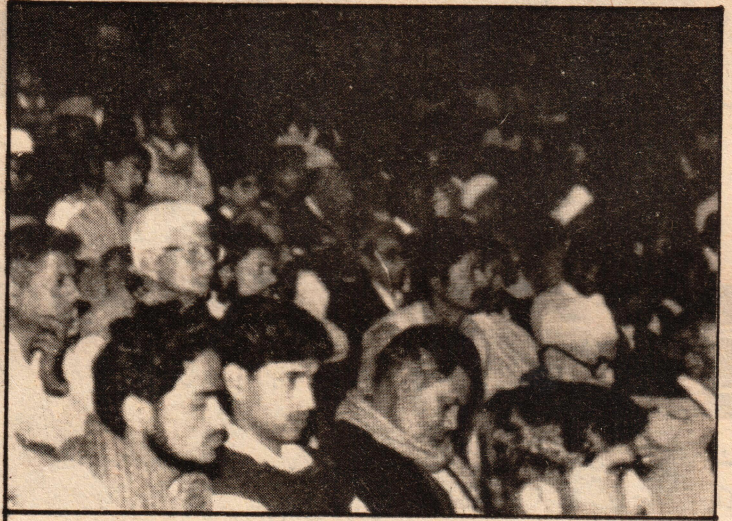
(۵) شرعی عدالتوں کے تصور کو مذہبی آزادی کا ایک حصہ قرار دیا جائے اور اس سلسلے میں ان کی ترتیب و تشکیل کے مسئلے کو کلی طور پر مستقبل کی مسلم ریاستوں پر چھوڑ دیا جائے تاکہ ہر مسلم ریاست اپنی ضرورت کے مطابق اسے مختلف شکل دے سکے۔

ششم: تعلیمی نظام کی اصلاح:—

(۱) اس حقیقت کے تسلیم کئے جانے کے بعد کہ خالصتاً سیکولر نظام تعلیم کا تصور عملی طور پر ممکن نہیں اور یہ کہ گذشتہ پچاس سالوں سے سرکاری سرپرستی میں چلنے والے اسکولوں اور کالجوں میں سیکولرزم کے نام پر اکثریتی فرقے کے مذہبی عقائد، قصہ کہانیاں اور اوہام کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی ہے۔ ایک ایسا نظام تعلیم وضع کرنے کی ضرورت ہے جو ہندوستان میں پائے جانے والے ہر مذہبی فرقے اور نظریاتی گروہ کے بنیادی عقائد اور تصورات سے طلباء کو واقف کراتا ہو۔ ملک میں پائی جانے والی باہمی نفرت کے رجحان کو ختم کرنے کے لئے لازم ہوگا کہ ہماری درسی کتابیں سبھی مذاہب کے بارے میں بنیادی معلومات فراہم کرتی ہوں۔

(۲) اس امر کے پیش نظر کہ مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات دوسری مذہبی اکائیوں سے مختلف ہیں اور یہ کہ علوم اسلامی کے ادارے اور عربی مدارس کا موجودہ نظام مسلم تعلیمی نظام سے علیحدہ نہیں کئے جا سکتے، مرکز اس بات کو یقینی بنائے کہ جب تک مستقبل کی مسلم ریاستیں وجود میں نہیں آتیں تب تک عارضی طور پر مسلم نظام تعلیم کے ارتقاء کو یقینی بنایا جائے۔

(۳) وفاق کے وجود میں آنے سے پہلے اور بعد میں تاریخی اعتبار سے معروف مسلم تعلیمی اداروں اور دانشگاہوں کو مسلم تعلیمی ورثہ کے طور پر تسلیم کیا جائے۔ اور ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری وفاقی حکومت پر ہو۔

(۴) گو کہ ہر ریاست کو اس بات کی قطعی آزادی ہو کہ وہ اپنی پسند کا تعلیمی نظام ترتیب دے۔ البتہ اسے کسی مذہب یا نظریاتی گروہ کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈوں سے اپنی درسی کتابیں بھرنے کا حق حاصل نہ ہو۔ مرکزی حکومت وفاق کے تعاون سے اس امر کو یقینی بنائے۔

ہفتم: لسانی مسئلہ:—

(۱) ہندوستانی مسلمانوں کے نزدیک ملک کی ساری زبانیں یکساں معتبر ہیں اور عقیدے کی رو سے کسی بھی زبان میں اظہار خیال سے انہیں کوئی الجھن نہیں۔ البتہ وہ کسی بھی زبان کے جابرانہ تسلط کے خلاف ہیں۔ مستقبل کے ہندوستان میں جہاں ریاستوں کو یہ آزادی حاصل ہوگی کہ وہ اپنے اپنے ریاستی حدود میں کسی خاص زبان یا رسم الخط کو اختیار کر سکیں وہیں مرکز پر یہ لازم ہوگا کہ وہ بین الوفاقی ٹیلی ویژن نٹ ورک پر مختلف زبانوں کو متناسب نمائندگی دینے کی پالیسی پر پابندی سے عمل پیرا رہے۔

(۲) مستقبل کے ہندوستان میں ہر شخص کو اس بات کی ضمانت حاصل ہوگی کہ وہ اپنی مادری زبان میں ابتدائی مراحل کی تعلیم حاصل کر سکے۔ اگر کسی وجہ سے وفاقی ریاستیں اپنی حدود میں مذکورہ زبان میں تعلیم کا نظم نہ کر سکیں تو ان پر لازم ہوگا کہ ان طلباء کو ریاستی وظائف پر متعلقہ زبانوں والی ریاستوں میں تعلیم کے لئے بھیجیں۔

مسلم ثقافتوں کے اظہار کے لئے مسلم اکثریت کے علاقوں میں سرکاری سطح پر اس کا نظم کیا جائے۔

(۳) گو کہ وفاق کی سرکاری زبان رومن رسم الخط میں لکھی جانے والی ہندوستانی ہوگی البتہ ریاستوں کی سرکاری زبان بھی مرکز کے نزدیک تسلیم شدہ ہوگی اور ان زبانوں کے لئے وفاقی حکومت کے زیر تحت ایک بورڈ قائم ہوگا۔

ہشتم: معاشی مسئلہ:—

(۱) اس امر کے پیش نظر کہ ملک کے موجودہ معاشی نظام میں مسلمانوں کا کوئی قابل ذکر حصہ نہیں ہے اور ملک کی بڑی صنعتوں پر مخصوص ذاتوں کی اجارہ داری ہے۔ مستقبل کے ہندوستان میں نوزائیدہ ریاستوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوگی کہ وہ معاشی انصاف کے قیام کے لئے موثر اصول وضع کریں اور سماجی انصاف کے ضابطوں کے تحت مرکز بھی ان بنیادی اصولوں کی پاسداری کو یقینی بنائے۔

(۲) مسلمانوں کی بیشتر صنعتیں موجودہ جابرانہ معاشی نظام میں یرغمال بنا لی گئی ہیں جن سے اصل فائدہ سیاسی اقتدار میں شرکت دار غیر مسلم قومیں اٹھا رہی ہیں نتیجہ یہ ہے کہ رفتہ رفتہ روایتی مسلم صنعت و حرفت میں بھی مسلمان محض کاریگر ہو کر رہ گئے ہیں۔ نئے ہندوستان میں وفاق کی ریاستیں اپنے اپنے علاقوں میں اس معاشی استحصال پر روک لگائیں۔ ملک کے وسائل کا چند ہاتھوں میں اجتماع ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے اور ہر شخص کو اس کی محنت کا معاوضہ اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے یقینی بنایا جائے۔

(۳) ملک کے موجودہ معاشی نظام میں مسلمانوں کی انتہائی قلیل شرکت کی اہم وجوہات میں سے ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ پورا معاشی نظام، کاروباری ترقی کے مواقع، لین دین کا معاملہ، قرضوں کے حصول اور واپسی کا طریقہ، ریاستی سرپرستی یا سہولتوں کی اسکیم یہ سب کچھ سودی نظام پر قائم ہے۔ جس میں شرکت کے لئے مسلمان نظریاتی طور پر خود کو فٹ نہیں محسوس کرتا۔ اس لئے مسلمانوں کے مذہبی احساسات کا خیال رکھتے ہوئے ایک نئے عادلانہ غیر سودی نظام کی تشکیل ضروری ہے۔ اس کے بغیر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کو بھی اس ملک میں یکساں ترقی کے مواقع حاصل ہیں۔

(۴) نئے ہندوستان میں وفاق کی مسلم ریاستیں غیر سودی عادلانہ معاشی نظام کی ترتیب و تشکیل میں اہم کردار ادا کریں گی۔ البتہ مرکز پر بھی یہ لازم ہوگا کہ وہ ایک متبادل غیر سودی معاشی نظام کی تشکیل کے عمل میں اپنے شہریوں کی نظریاتی ضرورت کے تحت ایک موثر اور فعال کردار ادا کرے۔

(۵) البتہ وفاق کے وجود میں آنے سے قبل کے عبوری مرحلے میں ملک بھر میں ایک متبادل غیر سودی بینکنگ کے نظام کے قیام کے لئے ریزرو بینک آف انڈیا وہ تمام سہولتیں فراہم کرے جو کسی عام بنکاری کے ادارے کے قیام کے لئے حاصل ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک غیر سودی بنکاری کے نظام کو عبوری مرحلے کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔

(۶) اس امر کو یقینی بنایا جائے کہ اس ملک میں رہنے والے ہر شخص کو شخصی ارتقاء، تعلیم و تربیت اور بنیادی ضرورتیں لازماً حاصل ہوں۔ خواہ اس کا تعلق کسی بھی فرقے، نسل، رنگ یا جنس سے ہو۔

کیوں نہ ہم ووٹ کا بائیکاٹ کریں

جمہوری طریقہ انتخاب میں جہاں ووٹ دینا ایک سیاسی عمل ہے، وہیں ووٹ نہ دینا بھی ایک سیاسی عمل ہے بشرطیکہ یہ عمل شعوری ہو۔ ماضی میں ہوئے پارلیمانی انتخابات میں مسلمانوں نے ووٹ دے کر اپنے ووٹوں کی اہمیت ثابت کی ہے۔ اپنے ووٹوں کے ذریعے جہاں مسلمانوں نے کانگریس کا سر اونچا کیا وہیں سرکش ہونے پر مسز اندرا گاندھی کے دانت بھی کھٹے کئے۔ لوک دل کو اس کی نااہلی کے لئے سزا دی تو راجیو گاندھی کو رام جنم بھومی کی تحریک کو ابھارنے کا مزا چکھایا۔ جنتا دل نے بندر بانٹ کی پالیسی اختیار کی تو پھر مسلمانوں نے اپنے ووٹ کانگریس کی جھولی میں ڈال کر اسے گدی پر بیٹھا دیا۔ بے شک مسلمانوں کے ووٹوں کی اہمیت مسلم ہے۔ لیکن اس بار صورت حال بالکل الگ ہے۔ ابھی تک ملک گیر پیمانے پر یہ طے نہیں ہو پایا ہے کہ ۱۹۹۶ء کے پارلیمانی انتخابات میں سیکولر پارٹیوں کا رویہ کیا ہوگا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ الگ الگ سبھی پارٹیاں مسلمانوں کو اپنی جانب راغب کرنے کی بھرپور کوششیں کریں گی بلکہ ایسا عمل شروع ہو چکا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ وہ کون سی پارٹی ہے جو انتخابات کے بعد حکمراں ہوگی یا یہ کہ جس کے حکمراں بننے کے امکانات زیادہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سوال کے تناظر میں سیکولر کہلانے والی پارٹیوں کی جانب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ دوسری صورت غیر کانگریسی اور غیر بھاجپائی پارٹیوں کے اتحاد اور تال میل کی ہے۔ مگر ماضی کے اتحادی حکومتوں کے تجربوں کے پیش نظر کہنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کی فضا اتحادی حکومت کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ یہاں اتحادی حکومت کا تصور ہی غیر فطری سا لگتا ہے۔ جنتا دل بی جے پی، بی جے پی کانگریس، سماجوادی بہوجن سماج، بہوجن سماج بی جے پی وغیرہ، ان سب کے اشتراک کا انجام ماضی قریب کے تجربات میں شامل ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے ایک نیا تجربہ کارگر ہو سکتا ہے یعنی ووٹوں کے بائیکاٹ کا تجربہ۔ اس سے ہمیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ اکثریتی طبقے کے ہم وطنوں میں کتنے فی صد لوگ کس درجے کے فرقہ پرست یا سیکولر ہیں۔ اس سے ہمیں آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار کرنے میں بھی آسانی ہوگی۔

افروز عالم بلسوکرا

بابری مسجد اسی جگہ پر بنے

تعمیر ملت شاخ عثمان آباد کے ایک وفد وزیر اعظم حکومت ہند کو میمورنڈم پیش کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ "بابری مسجد اسی مقام پر تعمیر کر کے دی جائے جہاں پہلے موجود تھی۔" اس موقع پر پولیس فائرنگ میں جو مسلمان شہید ہو چکے ہیں ان کے ورثا اور بچوں کے تعلیم کا انتظام اور معاشی بحران دور کیا جائے۔ جن پر مقدمات قائم کئے گئے ہیں وہ واپس لئے جائیں۔ کاشی متھرا و دیگر مقامات کے مساجد و معابد کی حفاظت کی جائے۔ فسطائی طاقتیں سر اٹھا رہی ہیں کچل کر رکھ دی جائیں۔ تاریخی شہر اورنگ آباد کا نام تبدیل نہ کیا جائے۔

الحاج مولانا محمد علی خاں
چیف آرگنائزر تعمیر ملت مہاراشٹر
درگاہ روڈ عثمان آباد

گذارش

اردو زبان کی ترقی و اشاعت کے پیش نظر بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر اور گورکھپور کے شعراء و شاعرات کے تعارف و ادبی ریکارڈ کے لئے ایک معیاری اور نمائندہ کتاب کی اشاعت کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

اس لئے بستی، گونڈہ، سدھارتھ نگر اور گورکھپور کے شعراء و شاعرات سے درخواست ہے کہ وہ جلد از جلد اپنا مختصر تعارف، نمونہ کلام، کم از کم دو غزلیں یا نظمیں اور اگر کوئی مجموعہ ہو تو وہ بھی، پاسپورٹ سائز تصویر اور اپنے مکمل پتہ اور فون نمبر کے ساتھ ہمیں روانہ فرمائیں۔

زاہد آزاد جھنڈانگری
تاج ایمپوریم، کرشنا نگر نیپال

اہل خیر حضرات سے گذارش

مدرسہ جمہوریہ مقام و ڈاکخانہ مجگواں وایہ قصبہ ضلع پورنیہ بہار جو ۱۹۲۵ء ہی سے تعلیمی خدمات انجام دے رہا ہے جہاں موقوف علیہ (مشکوۃ شریف، جلالین شریف، ہدایہ اولین) تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ ایک عظیم اور قدیم دینی ادارہ ہے جس میں درجہ حفظ پر خاص توجہ کے ساتھ عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ ۲۰۵ کے قریب طلبہ و طالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مبلغین، عملہ، سفراء کے علاوہ ۱۳ اساتذہ کرام (فضلاء و حفاظ وغیرہم) تعلیمی خدمات پر مامور ہیں۔ مدرسہ ہذا کی تعلیم و تربیت قابل اطمینان ہے۔

برادران اسلام سے درخواست ہے کہ فطرہ، زکوۃ، صدقات وغیرہ سے ادارہ کی بھرپور مدد فرما کر اجر کثیر کا مستحق بنیں۔

ہیڈ مولوی
مدرسہ جمہوریہ مجگواں
وایہ قصبہ پورنیہ (بہار)

اللہ آپ کو کامیاب کرے

حال ہی میں میں نے ملی ٹائمز پڑھا۔ میں ایک میڈیکل اسٹوڈنٹ ہوں۔ اس لئے وقت کم ملنے کے باعث اب تک میں ملی ٹائمز اور ملی پارلیامنٹ سبھی چیزوں سے نا آشنا تھا۔ خدا ہر مسلمان کے دل میں آپ کی بات ڈالے اور خدا سے دعا ہے کہ آپ کے اس کار خیر کو ہر مسلمان تک پہنچائے۔ جب بھی میں مسلمانوں کے قتل عام اور ہماری ماں بہنوں، بیٹیوں کے ساتھ عصمت دری کے واقعات پڑھتا ہوں تو دل تڑپ اٹھتا ہے اور دماغ شل ہو کر رہ جاتا ہے۔ مجھے تلاش تھی کافی دنوں سے کہ کوئی تو خدا کا بندہ ہوگا جو ہندوستان اور ہندوستان کے باہر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کرے گا۔ یہ تمام باتیں اور آپ کے پاکیزہ جذبات ملی ٹائمز کے ذریعے مجھ تک پہنچتے میری تمام مشکلات حل ہو گئیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میرے تمام دوست اکثر مجھ سے ذکر کرتے تھے۔ بوسنیائی اور چیچنیائی مسلمانوں کے بارے میں اور ہندوستان کے خستہ حال و فسادزدہ علاقوں میں مسلمانوں کو ہماری مدد ہم کیسے پہنچے اور ہم نے ایک تنظیم بھی تیار کی ہے جو صرف اور صرف مسلمانوں کے کاموں میں ہر ممکن مدد کرتی ہے میں کالج میں ہوں اور میرا بی یو ایم ایس تھرڈ ایر ہے۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو دوستوں کی تمام تر توجہ میری طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ مگر میرا نفی میں جواب سن کر شکستہ دل ہو جاتے ہیں۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ آپ کو کامیاب کرے۔

خان محمد ایاز

مذہبی مقامات پر حملے ہماری مشترکہ تہذیب پر کلنک ہیں

گذشتہ دنوں چنڈی گڑھ میں خدام برائے جمہوریت کی شاخ کا افتتاح کرتے ہوئے سپریم کورٹ کے سینئر وکیل اور فورم کے سکریٹری مسٹر این ڈی پنچولی نے کہا کہ مقدس مذہبی مقامات کا انہدام، کشمیر میں پھیل رہی ابتری، سماج اور سیاست میں فرقہ پرستی کا بول بالا، مسلح فورسز تک میں رشوت ستانی کے واقعات ہماری مشترکہ تہذیب کے ماتھے پر ایک کلنک ہیں۔ انہوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے آئیں اور بڑھ رہی فرقہ پرستی کی روک تھام کے کاموں میں اپنا حصہ لیں۔

اس موقع پر فورم کے جنرل سکریٹری مولانا ایم ایس مونس نے بتایا کہ کس طرح ملک میں فرقہ پرستی اور فاشزم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس تقریب میں دہلی اور چنڈی گڑھ کے علاوہ پنجاب کے متعدد شہروں سے لوگ شریک ہوئے تھے۔ جالندھر، کپورتھلہ، ہوشیار پور، پٹیالہ، مالیر کوٹلہ سے سماج کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے سنجیدہ افراد کی شمولیت نے پنجاب اور ہریانہ کی مشترکہ راجدھانی چنڈی گڑھ میں منعقد ہونے والے اس اہم اجلاس کو ایک باوقار اور نمائندہ تقریب کی شکل دے دی تھی۔

جنرل سکریٹری، فورم فار ڈیموکریسی اینڈ کمیونل ایمٹی، چنڈی گڑھ

مسلم ممالک کی خبریں تفصیل سے دیں

ملی ٹائمز کا پابندی سے مطالعہ کرتا ہوں جو بات خاص طور پر متاثر کرتی ہے وہ یہ کہ یہ اخبار فکری اعتبار سے قاری کی صحیح تربیت کرتا ہے۔ گذارش ہے کہ مسلم ممالک کی خبریں تھوڑی اور تفصیل سے دیں، ممالک کی مختلف تحریکوں خاص طور پر اسلامی تحریکوں کا تعارف ہو۔ اس کو ہفتہ وار بنا دیں، صفحات کا اضافہ فرمائیں کیونکہ مطالعہ کے بعد تشفی نہیں ہوتی۔

مسلم مسائل پر سیر حاصل بحث ہو تاکہ قارئین کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔ غیر ضروری تصاویر سے احتراز فرمائیں تو مناسب ہے۔

شیخ احمد
احمد پورہ، کریم نگر (آندھرا پردیش)

علماء دیوبند کا فتوی

موقر جریدہ "ملی ٹائمز" یکم جنوری تا ۱۵ جنوری ۱۹۹۶ء کے صفحہ ۳ پر علمائے دیوبند اور زینت ناز کے الیکشن سے متعلق دلچسپ مقالہ بڑے ہی تاسف کے ساتھ پڑھا! اس سلسلہ میں علمائے دیوبند کا فتوی دینا سادہ لوحی نہیں تو مضحکہ خیز ضرور ہے۔ ہم اغیار کی ستم ظریفی کا رونا تو روتے ہیں لیکن انہیں اعتراض کرنے کا مواد بھی فراہم کرتے ہیں، کیا طرفہ تماشا ہے۔

اس حقیقت کو ہرگز ہرگز فراموش نہ کیا جائے کہ ہمارے علمائے کرام جو کل تک انگریزی یا سائنس پڑھنا، پتلون پہننا یا ریل گاڑی پر سوار ہونا حرام بتلاتے تھے اب اپنے فتووں کو واپس لے چکے ہیں۔ حتی کہ لاؤڈ اسپیکر پر وعظ کہنے کو "شیطان کی آواز" بتلا کر اسے بھی "حرام" قرار دیا جا چکا تھا۔ لیکن آج یہ فتوی بھی واپس لیا جا چکا ہے۔ ہماری مسجدوں کے علاوہ مکہ و مدینہ میں بھی لاؤڈ اسپیکر پر اذان اور وعظ ہوتا ہے اور تمام دنیا میں ٹیلی ویژن پر گھر بیٹھے حج کے ارکان و مناسک دیکھے اور دکھلائے جاتے ہیں۔

ایم عظمت علی حیدر
تھانہ روڈ مدھوپور (دیوگھر) بہار

لیکن ہمیں اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کہاں

موقر جریدہ ملی ٹائمز میں قائد ملی پارلیامنٹ کا دل سوز و دلگداز اشتہار پڑھتے ہی قلب پر ایک رقت و کیفیت طاری ہو گئی! دل سے یہی صدا برملا نکلی کہ بفضلہ تعالی پٹنہ کا جلسہ کامیاب ہو اور ہندی مسلمانوں کو سرخروئی نصیب ہو! آمین۔ ورنہ اس احقر نے تو وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب کہ ہمارے نام نہاد علمائے کرام ایک ہاتھ سے مسلمانوں کو قرآن دکھاتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے ان کے گلے میں مشرکوں اور بت پرستوں کی غلامی کا طوق پہناتے تھے۔! (اللہ کی پناہ)

اس میں کیا کلام ہو سکتا ہے کہ اگر ہم تاریک راتوں میں اٹھ کر اللہ سے گریہ وزاری کریں اور سب سے بے پروا ہو کر ایک اللہ ہی کا دامن پناہ پکڑ لیں تو ہمارے لئے باب رحمت کھل سکتا ہے اور ہمارا مستقبل بھی روشن ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمیں اللہ کے وعدوں پر بھروسہ کہاں؟ ہم تو سیاسی بازیگروں اور مذہبی لال بجھکڑوں کے پھیرے میں پڑے ہوئے ہیں۔ تو انجام بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔

مظفر حسین (خطیب مسجد)
بازار، حاجی گلی، مدھوپور (دیوگھر) بہار

آل انڈیا مارشل آرٹ ٹریننگ سیمینار

۱۷ تا ۲۱ دسمبر بمبئی کے دیولالی ناسک علاقے کے بارنسیں اسکول میں کراٹے کے گرانڈ ماسٹر سلومن اسیک کے زیر اہتمام ایک آل انڈیا مارشل آرٹ ٹریننگ سیمنار منعقد کیا گیا۔ اس پورے پروگرام کے ہدایت کار گرانڈ ماسٹر سلومن اسیک تھے۔ اس سیمنار میں بہار، یوپی، کرناٹک، گجرات، مہاراشٹر، آسام، آندھرا پردیش اور مغربی بنگال کے بلیک بیلٹ کراٹے انسٹی ٹیوٹ آف انڈیا کے اچھے کھلاڑیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سبھی کھلاڑیوں نے اس پروگرام میں کراٹے فن کے بے شمار کرتب دکھائے۔ ان کھلاڑیوں کی کاوشوں کے پس پردہ ان کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ہندوستان کا ہر فرد اس کھیل کی افادیت کو سمجھے اور اس دیش کا ہر بچہ اس مفید اور کارآمد کھیل سے روشناس ہو۔

ندیم احمد
ریل پار، قریشی محلہ۔ آسنسول (مغربی بنگال)

بی جے پی اور مسلمان

ادھر کچھ دنوں سے غلام نبی آزاد اینڈ سنس ہندوستانی مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ بابری مسجد کو شہید کانگریس نے نہیں کیا بلکہ اس گناہ کے ارتکاب کا بھاجپا تنہا ذمہ دار ہے۔ اس لئے کانگریس کو مسلمان معاف کر دیں۔ غلام نبی آزاد نے یہاں تک کہا کہ "جس طرح شکار پکڑنے کے لئے سارے جنگل کو آگ نہیں لگائی جا سکتی اور کوئی گھونسلہ توڑنے کے لئے درخت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے" اسی طرح کانگریس اور راؤ کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ ٹھیک نہیں ہے۔ کچھ احمق قسم کے لوگ یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ اگر بھاجپا کی حکومت ہو گئی یا ہندو راشٹر ہو گیا تو ہندوستان سے مسلمانوں کا وجود ہی ختم ہو جائے گا۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں آج بھی ہندو قانون ہی نافذ ہے۔ ہندوستان کا سیکولرزم نقلی، جمہوریت نقلی، حکومت نقلی، عدالت کے مقدمے نقلی۔ ہندوستان کی عدلیہ کا جھکاؤ بھی یہاں کے ہندوتو کی طرف ہی ہے۔

کانگریس کے مسلم دلال مسلمانوں کو دہشت زدہ کر کے چاہتے ہیں کہ یہ لوگ خوف کے مارے پھر سے ان کی حمایت کرنے پر آمادہ و تیار ہو جائیں تاکہ ان کی لاشوں پر چڑھ کر کانگریس کا فرعونی محل تعمیر کیا جا سکے۔ اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی کانگریس کو ہی ووٹ دیں۔ کانگریس کے دلال ہزار چیختے اور چلاتے رہ جائیں مگر اس بار مسلمان متحد ہو کر تیسرے محاذ کو ہی ووٹ دیں گے۔ اور یہ پتھر پر نقش کر لیجئے کہ آئندہ حکومت تیسرے محاذ کی ہی ہوگی۔ اگر بھاجپا کی حکومت ہو جاتی ہے تو یہ بھی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہی ہوگا۔ مسلمانوں کے پاس صحیح معنوں میں اسلام کہاں ہے۔ بزدلوں کی موت مرنے کی عادت ہو گئی تھی۔ بھاجپا کی حکومت سے مسلمانوں کی اصلاح ہوگی۔ سر پر جب موت کی تلوار لٹکتی ہوئی نظر آئے گی تو مسلمان متحد بھی ہوں گے اور اپنے دفاع کی بھرپور کوشش بھی کریں گے۔

جاوید اختر آزاد
دلاور پور۔ مونگیر (بہار)

فسطائی طاقتوں کا دعویٰ کہ ہندو اس ملک کے وفادار ہیں باقی سب غدار

کیا مذہبی جنون کا طوفان یوں ہی جاری رہے گا؟

یہ کالم ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے متعلق مسلم و غیر مسلم دانشوروں کے مضامین کے لئے وقف ہے۔ اس میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کے مضامین شائع کئے جاتے ہیں۔ ان مضامین میں پیش کردہ نقطہ نظر سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ (ایڈیٹر)

تحریر: ڈاکٹر محمد حسن

جس دن بابری مسجد توڑی گئی اس دن ملک ایک ذلت سے دوچار ہوا۔ اس وقت اکثریت کو یہ باور کرایا گیا کہ یہ ان کی بڑی کامیابی ہے۔ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ یہ کوشش تھی چند شرپسندوں کی جس کے بل پر وہ سدا کے لئے ملک کی مذہبی اکثریت اور اقلیت کے درمیان نفرت کی دیوار قائم کرنا چاہتے تھے اس کے لئے انہوں نے معاملہ بھی ایسا چنا جس میں عقل کی کارفرمائی سے زیادہ جذبات کا غلبہ ہو اور وہ بھی مذہبی جذبات کا جن پر استدلال اثر نہیں کرتا۔ تعجب اور افسوس یہ ہے کہ اس بار یہ لوگ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوگئے اور ملک میں نفرت کی جو آندھی چلی اس سے فائدہ اٹھانے میں لگ گئے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ ابھی جاری ہے حکومت کانوں میں تیل ڈالے بیٹھی ہے اور سپریم کورٹ نے معاملے کو التوا میں ڈال رکھا ہے آخر کیوں؟

اگر اسے سر پر لٹکنے والی تلوار کی طرح استعمال کرنے کا ارادہ ہو تو البتہ بات دوسری ہے ورنہ چاہئے تو یہ تھا کہ اسے ترجیح دی جاتی اور عدالت عالیہ دس کام چھوڑ کر اس پر لگ جاتی۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس پر بلا مبالغہ سینکڑوں جان سے جاچکے ہیں اور ہزاروں جان سے جاسکتے ہیں۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے انہوں نے معقولیت کا ثبوت دیا ہے اور ایک مذہبی یا نیم مذہبی معاملے کو مکمل طور پر عدالت اور حکومت کے سپرد کردیا ہے اور اس عہد کے ساتھ کہ جو بھی فیصلہ ہوگا وہ اس کے پابند ہوں گے۔

مگر فیصلہ ہوتا ہی نہیں۔ کیوں؟ اس کا جواب مختصر طور پر شاعری کی زبان میں صرف اس قدر ہے کہ تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

ویسے ہندوستان میں مسلمان اقلیت ضرور ہیں مگر اتنی بڑی اقلیت ہیں جتنی پورے ملک کی آبادیاں ہوا کرتی ہیں پھر انہیں جاہل، ضدی، مفلس اور ہٹ دھرم کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا یہ اور بات ہے کہ اس بار انہوں نے غیر معمولی صبر و سکون سے کام لیا ہے اور آئندہ بھی اس کی توقع کی جاسکتی ہے مگر کسی بھی دیانتدار حکومت کا فریضہ ہے کہ اس قسم کے اشتعال انگیز معاملے کو جلد از جلد سلجھانے کی کوشش کرے کہ انصاف کا یہی تقاضا ہے۔

بابری مسجد کے انہدام کے بعد سے آج تک ملک اور قوم پر جو گزری ہے اس کے تدارک کی ضرورت ہے۔ ہوسکے تو اس مسئلے کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے اور جلد کرے تاکہ پھر اسے زندہ کرکے انتخابی مسئلہ نہ بنایا جاسکے۔ نہ ہوسکے تو کم سے کم اس امکان کا تدارک کیا جائے۔

یہ ہرگز فراموش نہ کرنا چاہئے کہ بابری مسجد کا انہدام ایک طرف اور اس مقام پر مندر کا قیام دوسری طرف۔ یہ دونوں معاملے ایسے ہیں جنہوں نے ملک کے سیکولر ضمیر کو مجروح کیا ہے اور اس جراحت کے لئے ابھی تک کسی مرہم کی تلاش نہیں کی گئی۔ کبھی کبھی یہ آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں کہ ہمیں اس انہدام پر فخر ہے کبھی کبھی اس پر ندامت کے بھی دو ایک لفظ سننے میں آجاتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی معاملے کو ٹالنے کی

بابری مسجد کے انہدام کے بعد سے آج تک ملک اور قوم پر جو گزری ہے اس کے تدارک کی ضرورت ہے۔ ہوسکے تو اس مسئلے کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے اور جلد کرے تاکہ پھر اسے زندہ کرکے انتخابی مسئلہ نہ بنایا جاسکے۔

کوشش ہی غالب ہے۔ ایک بزرگ تو اکثر یہ کہتے بھی سنے جاتے ہیں کہ بھائی اسی کا ماتم کئے جاؤ گے؟ اب اس معاملے سے درگزرو۔ مگر وہ بھولتے ہیں۔ بعض زخم ہلکے ہوتے ہیں بعض اس قدر گہرے کہ مدتوں میں جاکر بھرتے ہیں اور یہ مسئلہ تو آج بھی ملک کی عدالت عالیہ کے سامنے ہے اور انصاف طلب ہے۔ کسی طور سہی اس کا فیصلہ ہوجائے تو معاملات روبراہ ہوں۔

واقعہ یہ ہے کہ پچھلے چند سال میں حکومت نے فرقہ پرستوں کے سامنے سپر ڈال دی ہے۔ حد یہ ہے کہ فرقہ پرستوں کے گرو گھنٹال کو پیر و مرشد تسلیم کرلیا گیا اور سرکاری وفود کی سربراہی ان کے سپرد ہوئی پھر جو رد عمل اقلیتوں کا ہوا اس پر تعجب کیوں؟ اور اقلیتوں کو پھر سے اپنے دام میں پھنسانے کی کوشش کس لئے؟

فرقہ پرست پارٹیوں کا حال احوال جانے دیجئے خود سیکولر پارٹیوں نے بھی مسجد کے معاملے کو فراموش کر رکھا ہے۔ جنتا دل ہو یا کمیونسٹ پارٹیاں ان میں سے کوئی بھی اس کا ذکر نہیں کرتی اور اپنے خیال میں یہ فرض کرچکی ہیں کہ اسے اقلیت نے بھی بھلادیا ہے۔ سچائی یہ ہے کہ ان میں اکثر سیاسی پارٹیوں نے ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہی کو فراموش کر رکھا ہے اور اس کے مسائل ہی کو نہیں احساسات تک کو نظرانداز کرڈالا ہے۔ اس سے قبل ہندوستانی سیاست میں اقلیت کے جذبات و احساسات کو اس قدر بے دردی کے ساتھ کبھی فراموش نہیں کیا گیا۔
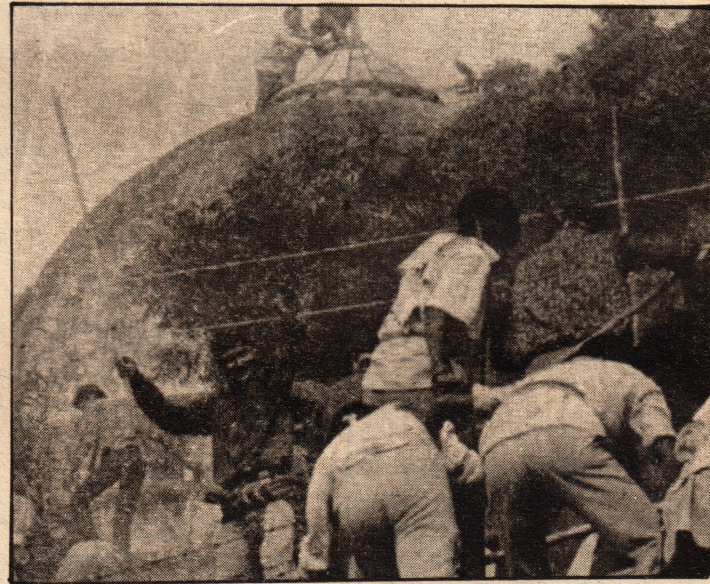
یہ صحیح ہے کہ بابری مسجد کے انہدام کی مذمت ہندوستان کی سبھی سیاسی پارٹیوں نے کی مگر یہ بھی درست ہے کہ ان میں سے کوئی پارٹی بھی اس انہدام کو روک نہیں سکی۔ حد یہ ہے کہ وہ پارٹی بھی اسے روکنے میں کامیاب نہیں ہوئی جو مرکز میں سرکار بنائے ہوئے ہے۔ مذہبی جنوں کے اس طوفان کے آگے سبھی بے بس تھے لیکن کیا آئندہ بھی یہی طرز عمل جاری رہے گا؟

یہ سوال دن بدن زیادہ اہمیت اختیار کرتا جارہا ہے اور اس کے جواب پر کسی ایک پارٹی کا نہیں بلکہ پورے ملک کے مستقبل کا دارومدار ہے اور یہ معاملہ صرف مسلمانوں کا نہیں ہے اب تو اس صف میں دوسرے گروہ بھی شامل ہوگئے ہیں۔

ملک اور قوم بھی وقت کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں ان کے شعور اور ادراک میں تبدیلیاں ہوتی ہیں کل کے پسماندہ طبقے آج اپنا حق مانگتے ہیں اور قومیں وہی ترقی کرتی ہیں جو زمانے کے ساتھ ساتھ ابھرنے والے مسئلوں کو سمجھنے اور حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

مسلم اقلیت اس صورت حال میں کیا کرے؟ بابری مسجد کے معاملے نے جو کروٹ لی اس نے ہندوستانی مسلمان کے ضمیر کو جھنجھوڑ ڈالا ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان میں سیکولرزم کی حفاظت کی ذمہ داری بڑی حد تک ان کے سپرد ہوئی ہے اگر ہندوستانی مسلمان بھی فرقہ پرستی اور علیحدگی پسندی کی روش پر چل نکلتے تو خود ان کے لئے نئے اندیشوں اور نرالے خدشات کے دروازے کھل جائیں گے۔ ضرورت یہ ہے کہ ان کا ایک ذمہ دار حلقہ نہایت سنجیدگی سے فرقہ پرستی کے اس طوفان کا مقابلہ کرنے کی تدبیریں سوچے اور ان پر عملدرآمد کرے اور یہ تدبیریں صرف ہندوستانی مسلمانوں ہی کے لئے نہ ہوں بلکہ پورے ملک کے لئے ہوں۔

یہاں یہ بات دہرانا ضروری ہے کہ جب بھی ملک جمہوری راستوں سے الگ ہٹ کر فاشسٹ عناصر کے قبضے میں جاتا ہے سب سے پہلے اقلیتوں کو اس کا شکار ہونا پڑتا ہے، جرمنی اور اٹلی میں جب فاشسٹ طاقتوں کا عروج ہوا تو سب سے پہلے وہاں کی اقلیتوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا۔ ہٹلر نے یہ کہنا شروع کیا کہ جرمنی کی جتنی مصیبتیں ہیں وہ سامی نسل کے یہودیوں کی وجہ سے ہیں وہ کھاتے زیادہ ہیں اس لئے غلے کی کمی ہے وہ زیادہ بچے پیدا کرتے ہیں اس لئے ان کی وجہ سے آبادی کا دباؤ بڑھ گیا ہے وہ دوسرے ملکوں میں بھی آباد ہیں اس لئے ملک میں قومی یکجہتی اور مکمل وفاداری کی بنیادیں مضبوط نہیں ہیں۔ غرض ثابت یہ کیا گیا کہ وہ دراصل ملک اور قوم کی بنیادیں کھوکھلی کرنے والے "پانچویں کالم" کے لوگ ہیں جن کا کام ہی غداری ہے۔ اور ان سے ملک کو پاک صاف کئے بغیر عظیم آریائی نسل اور جرمن قوم ترقی نہیں کرسکتی۔

آج ان سطروں کو پڑھتے وقت آپ کو ہندوستان کی مسلم دشمن فسطائی طاقتیں بار بار یاد آئیں گی اگر توثیق کی ضرورت ہو تو شری گولوالکر کی کتاب ہٹلر کی سوانح کے ساتھ رکھ کر پڑھ ڈالئے اور شری دین دیال اپادھیائے کی فلسفہ طرازی ملاحظہ کرلیجئے

طرز استدلال بھی بڑا دلچسپ ہے۔ ساری زبانیں تو بائیں سے دائیں کو لکھی جاتی ہیں فقط یہودی اور مسلمانوں سے متعلق زبانیں دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہیں۔ سب مذاہب کے مقدس مقامات تو ہندوستان کے اندر ہیں خواہ بدھ مت ہو جین مذہب ہو یا ہندو ویشنوی مت۔ فقط اسلام اور عیسائیت اپنے مذہبی مقامات کے لئے باہر کے ملکوں کی طرف دیکھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایسی ایسی غلط فہمیاں جن کی حیثیت اب عقیدے کی ہوگئی ہے۔ اور ان سب پر پختہ رنگ چڑھاتے ہیں ہمارے "سیکولر" ارباب سیاست اور ارباب حکومت۔

استدلال ان کا سیدھا سادہ سا ہے۔ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے اور جمہوریت کا سیدھا سادہ مفہوم ہے اکثریت کی حکومت۔ اور ہندوستان میں چونکہ اکثریت ہندوؤں کی ہے لہذا صرف ہندو ہی اس ملک کے وفادار ہیں باقی سب غدار ہیں خاص طور پر مسلمان جنہوں نے پاکستان بنوایا اور پھر بھی ہندوستان کے سینے پر مونگ دل رہے ہیں۔ وہ یہ بھولتے ہیں کہ ملکوں کے فیصلے مذہب کی بنیاد پر یا محض دوراز کار مثالوں سے نہیں ہوتے یہ فیصلے ہوتے ہیں سب کے صلاح و مشورے سے اور ملک پر حق ہوتا ہے سبھی رہنے والوں کا خواہ اس باب میں کالے اور گوروں کا رن پڑے جیسا کہ امریکہ میں ہوا۔ خواہ اس میں کٹر پنتھیوں کا رن پڑے جیسا اب اسرائیل میں ہو رہا ہے۔ ●

بقیہ: بھونڈا مذاق

سامان کی واپسی کا مطالبہ بھی کیا جو میں نے پولیس کی موجودگی میں ڈائری کراکے واپس کردیا ہے۔ کیا اسلامی شریعت میں ایسی صورت میں بیوی کو خرچ دینا واجب ہے جب کہ وہ نباہ نہیں کرنا چاہتی۔ (ایک مظلوم کے مکتوب کی تلخیص)

جواب: — میرے بھائی! آپ تو بڑی پریشانی میں مبتلا ہوگئے۔ بیوی کے والدین کی طرف سے بلائی گئی پنچایت والوں نے اور بھی ظلم کیا۔ اگر ان کا یہ کہنا ہے کہ ان کا فیصلہ عین شریعت کے مطابق ہے تو شریعت کے ساتھ اس سے بھونڈا مذاق بھی نہیں ہوسکتا۔ پنچایت کے افراد کا کوئی فیصلہ کسی طرح شریعت کے مطابق نہیں ہے۔ جو لوگ آپ کو مجبور کر رہے ہیں کہ آپ اپنی سسرال کے گھر کے ایک کمرے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہیں وہ یہ بھی سوچ سکتے تھے کہ اگر آپ کی بیوی کا نباہ آپ کی ماں کے ساتھ نہیں ہو رہا ہے تو وہ آپ کے گھر کے ایک کمرے کو اپنی رہائش کے لئے مخصوص کرلے اور جس طرح وہاں کھانا پینا الگ ہو رہا ہے میکے میں وہی سسرال میں بھی ہوسکتا تھا۔ جب شوہر کے ساتھ رہنے پر وہ تیار نہیں ہے تو شوہر پر کسی خرچے کی ادائیگی واجب نہیں ہے۔ کسی دباؤ میں آکر آپ نے پنچایت کا فیصلہ مان لیا ہو یہ الگ بات ہے ورنہ اس کا فیصلہ قابل اعتبار نہیں ہے۔

شیطان بائیں پیر میں جوتا پہنتا ہے اور دایاں خالی رکھتا ہے

جن انسانوں سے کافی مشابہ ہیں بس نظر نہیں آتے

ابلیس کے باغی رفیق کا انٹرویو ——— نویں قسط

گذشتہ شمارے میں ایک صاحب ایمان جن سے گفتگو کی روشنی میں ہم اس کے جسمانی اعضاء کی شکل و صورت کی تفصیل شائع کر چکے ہیں۔ اسی گفتگو کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے اس مخلوق کے بارے میں دیگر معلومات اور ان سے وابستہ بعض تصورات کی وضاحت پیش کی جا رہی ہے۔

سوال: — کیا تم لوگوں کے جسم میں اعضائے تناسل بھی ہوتے ہیں۔؟

جواب: — بالکل انسانوں کی ہی طرح جو ہمارے جسموں سے متناسب ہو۔ ہماری قوم میں مرد انسانوں کی ہی مانند ہوتے ہیں ان کی بھوک پیاس اور شہوانی خواہشات بھی یکساں ہیں۔ ان کے مباشرت اور جنسی تسکین کے طریقے بھی مختلف نہیں۔ اسی طرح ہم عورتیں بھی انسانی دنیا کی عورتوں ہی جیسی ہیں جن کی شادیاں دنیا کی دیگر عورتوں کی طرح انجام پاتی ہیں۔ بھائی یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری زندگی اور عام انسانی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سوال: جیسا کہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور دیگر محدثین سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلوع، زوال اور غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ سورج کا طلوع و غروب شیطان کی سینگوں کے درمیان ہوتا ہے تو کیا واقعی جنوں کی عموماً دو سینگیں ہوتی ہیں یا یہ بیان محض مجاز و کنایہ پر مبنی ہے۔

جواب: — یہ ارشاد اللہ کے رسول کی طرف سے ہوا ہے اور یقیناً صحیح ہے۔ جنوں کی دو سینگیں ہوتی ہیں لیکن کافی چھوٹی جو کہ چھوٹے سے چھوٹے جن کے سر پر بھی ملیں گی۔

> مسلمان جن عورت دنیا کی پردہ دار اور دیندار عورت کی طرح حجاب کی پابندی کرتی ہیں۔ میں بھی نقاب پہننے کے حق میں ہوں کیونکہ اللہ کے نزدیک یہی طریقہ سب سے پسندیدہ ہے۔ مرد بھی وہی لباس اختیار کرتے ہیں جو ان کے لئے مناسب ہو

سوال: تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہاری بھی دو سینگیں ہیں؟

جواب: جی ہاں۔ لیکن حد درجہ چھوٹی اور اتنی لمبی نہیں کہ انسان کو اٹھی ہوئی حالت میں ہمیشہ نظر آجائیں۔

سوال: — ابلیس کی سینگیں چھوٹی ہوتی ہیں یا بڑی۔

جواب: — بڑی ہوتی ہیں اور اس کی جسامت سے تناسب رکھتی ہیں۔ جہاں تک ہمارا سوال ہے تو ہمارے جسم کمزور پڑ گئے ہیں جس طرح کہ انسانوں کے جسم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کمزور ہو جاتے ہیں۔

سوال: — تم لوگوں کے رنگ کیسے ہوتے ہیں

جواب: — انسانوں میں کالے، گورے، سانولے ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اسی طرح ہم میں بھی ہیں۔ ہاں ہم میں سے بیشتر لوگوں کے چہرے کالے ہوتے ہیں۔ ہماری جلد بھی سیاہ گوشت سے پیوست ہوتی ہے۔ ہماری جلد کے رنگ کو آپ اپنی دنیا کی بھینس سے مشابہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس پر بال کم ہوتے ہیں جیسے بعض انسانوں کے جسم پر کم بال ہوتے ہیں یا بالکل نہیں ہوتے۔ ایسے جن بھی ہیں جن کا پورا جسم گھنے بالوں سے بھرا ہوا ہو۔ جنوں میں سے بعض سفید اور بعض سبز رخ۔ رنگ برنگے، بھانت بھانت کے جن ہوتے ہیں سبحان اللہ۔

سوال: — تو تم لوگ کپڑے بھی پہنتے ہو گے

جواب: — ضرور ضرور مختلف رنگ اور طرز کے لباس ہم پہنتے ہیں جو بھڑک دار اور قیمتی بھی ہوتے ہیں۔ عورتوں کا لباس ایسا ہوتا ہے جو ان کے لئے موزوں ہو اور انہیں زیب دے۔ مسلمان جن عورت دنیا کی پردہ دار اور دیندار عورت کی طرح حجاب کی پابندی کرتی ہیں۔ میں بھی نقاب پہننے کے حق میں ہوں کیونکہ اللہ کے نزدیک یہی طریقہ سب سے پسندیدہ ہے۔ مرد بھی وہی لباس اختیار کرتے ہیں جو ان کے لئے مناسب ہو۔ زیادہ تر لوگ عبا پہنتے ہیں اور بیشتر کو سرخ رنگ کا لباس پسند ہے اس کے بعد نیلے رنگ کا لیکن ان دونوں سے زیادہ انہیں کالا رنگ مرغوب ہے۔

سوال: — یہ جس زبان سے تم بات کر رہے ہو یہ کیا اصل زبان ہے یا کسی اور کیفیت میں بول رہے ہو جس کا ہمیں علم نہیں ہو پایا۔

جواب: — نہیں نہیں۔ جس زبان سے میں بول رہا ہوں وہ میری ہی زبان ہے اس میں مجاز کو ہرگز دخل نہیں۔ یہ بات ضرور ہے کہ یہ زبان بہت چھوٹی ہے اور ہمارا جسم جتنا مختصر ہے اسی مناسبت سے زبان بھی ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں جسم کا اندرونی نظام بھی انسانوں سے بہت مشابہ ہے یعنی کہ ہر چیز تمہارے ہی جیسی ہے۔

> قدرتی بات ہے اس لئے کہ ہمارا جسم اپنی اصل کے اعتبار سے ناری اور ہوائی ہے خاکی نہیں اور بعض مخصوص حالات میں ہی ہمیں دیکھا جانا ممکن ہے۔ ایک حالت تو وہ ہے جس میں ہمارا جسم مادی شکل و صورت اختیار کرتا ہے یا سحر کی حالت یا سحر کیا پانی پی لینے کی صورت میں یا یہ کہ جن خود ظاہر ہونے کا ارادہ کرے جس کے لئے بعض مخصوص حالات کا ہونا ضروری ہے۔

سوال: — تمہارے دانت بھی ہیں؟

جواب: — دانت کیوں نہ ہوں گے جناب باقی اعضاء جسم کے اعتبار سے ہمارے دانت زیادہ بڑے یا لمبے ہوتے ہیں۔

سوال: — انسانوں سے اس مشابہت کے باوجود ہم تمہیں دیکھ نہیں سکتے یہ عجیب بات ہے۔

جواب: — قدرتی بات ہے اس لئے کہ ہمارا جسم اپنی اصل کے اعتبار سے ناری اور ہوائی ہے خاکی نہیں اور بعض مخصوص حالات میں ہی ہمیں دیکھا جانا ممکن ہے۔

سوال: — وہ کیسے؟ اس بارے میں بھی کچھ بتاؤ

جواب: — ایک حالت تو وہ ہے جس میں ہمارا جسم مادی شکل و صورت اختیار کرتا ہے اسی طرح جیسے Ether کا مادے میں تبدیل ہونا ناممکن نہیں ہے۔ یا سحر کی حالت یا سحر کیا ہوا پانی پی لینے کی صورت میں یا یہ کہ جن خود ظاہر ہونے کا ارادہ کرے جس کے لئے بعض مخصوص حالات کا ہونا ضروری ہے۔

سوال: — تم لوگ اپنے پیروں میں کیا پہنتے ہو؟ گرگابی پہنتے ہو یا جوتے اور سینڈل کے قسم کی کوئی چیز بھی پہنتے ہو؟

جواب: — ہاں ہاں۔ ہم جوتے بھی پہنتے ہیں لیکن مسلمان جن اور شیطان جن میں اس معاملے میں فرق ہے۔

سوال: — وہ کس طرح کا فرق ہے؟

جواب: — شیطان اپنے بائیں پیر میں جوتا پہنتا ہے اور داہنا پیر خالی رکھتا ہے۔

سوال: — اور مسلمان جن کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: — وہ ایسا نہیں کرتا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میں دونوں پیروں میں جوتے پہنتا ہوں۔

سوال: — تم لوگ کس چیز کے بنے ہوئے جوتے پہنتے ہو؟

جواب: — ہمارے جوتے پپیرے کے بنے ہوتے ہیں جس سے کاغذ تیار ہوتا ہے۔

سوال: — یہ تو وہی چیز ہے جس پر فراعین مصر لکھا کرتے تھے۔ کیا تم لوگ پپیرے کی کاشت خود کرتے ہو اس طرح کہ کوئی دیکھ نہ سکے۔

جواب: — ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ہمیں مل جاتا ہے لیکن وہ چیز کافی پتلی ہوتی ہے اور ہمارے جسموں کی ہی طرح مختصر۔ اس کے علاوہ ہم جو کچھ بھی پہنتے ہیں وہ ہماری جسمانی خصوصیات کے مطابق ہوتی ہیں جنہیں کوئی دیکھ نہیں سکتا۔

بقیہ: کیا عرفات

یہ محسوس کر کے کہ مقبوضہ علاقوں سے آزادی کی جنگ لڑنا بہت مشکل ہو گا وہ اسرائیلیوں سے بچ کر اردن چلے گئے۔ اس کے بعد سے عرفات کی زندگی خطرات میں گھری ہوئی جدوجہد سے عبارت ہے۔ انہوں نے کویت میں ٹھیکہ داری کر کے کافی پیسہ بنایا تھا جو ہمیشہ ان کے کام آیا۔ ناصر کے برسر اقتدار آنے کے بعد وہ ان سے بہت قریب آگئے۔ وہ فدائین کے اسرائیل کے خلاف حملوں کو منظم کرنے میں ہمیشہ آگے آگے رہے۔ مصر کی مدد سے انہوں نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں پی ایل او کا قیام کیا جو آزادی فلسطین کے لئے سرگرم مختلف جماعتوں کا مجموعہ ہے۔ وہ اس وقت سے آج تک پی ایل او کے چیرمین ہیں۔ پی ایل او کے اندر اور باہر عرب دنیا میں ان کے بے شمار ناقدین ہیں۔ اکثر لوگوں کو ان کی بعض پالیسیوں اور طرز عمل سے اختلاف رہا۔ بارہا ان کی جدوجہد سے پر زندگی میں بڑے جاں گسل لمحات بھی آئے مگر ہر بحران سے وہ کسی نہ کسی حد تک کامیاب نکلے۔

پی ایل او کے دور ہی سے عرفات کا طرز عمل اچھا خاصا آمرانہ رہا ہے۔ "مقبوضہ علاقوں" میں اپنی اٹھارہ سالہ حکمرانی سے بھی انہوں نے یہی ثابت کیا ہے۔ وہ کبھی اپوزیشن کو برداشت کرنے والے نہیں تصور کئے گئے۔ وہ اپنی تعریف اور خوش آمد کے قائل ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے ایک اخبار کے ایڈیٹر کو خود ہی ایک ہفتے تک حراست میں محض اس جرم میں رکھنے کا حکم دیا تھا کہ اس نے ان کی شان میں ایک قصیدہ قسم کے مضمون کو سرکاری ہدایت کے برعکس صفحہ اول کے بجائے اندرونی صفحات میں جگہ دے دی تھی جس میں عرفات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشابہ قرار دیا گیا تھا۔ عرفات پر گذشتہ اٹھارہ مہینوں میں حقوق انسانی کی پامالی کا بھی الزام ہے۔ ان کی پولیس خصوصاً جبرئیل رجوب کی قیادت میں کام کرنے والے دستے پر ہر کوئی الزام لگاتا ہے کہ اسے عرفات نے اپنے مخالفین کو ہراساں کرنے کے کام پر معمور کیا ہے۔ عرفات نے اپوزیشن کو ہراساں کرنے کے ساتھ اخبارات کی آزادی پر خاص طور سے حملہ کیا ہے کسی اخبار کو ان پر تنقید کی اجازت نہیں ہے۔

اسی طرح وہ میڈیا اور دوسرے ذرائع سے شخصیت پرستی کو بھی فروغ دے رہے ہیں۔ انہیں باتوں کے پیش نظر نہ صرف ان کے مخالفین بلکہ ان کے بعض حمایتی بھی اب یہ سوال کرنے لگے ہیں کہ کیا وہ واقعی ایک جمہوری حکومت کی سربراہی کے اہل ہیں؟ اس ضمن میں عرفات پہلے ہی بہتوں کو مایوس کر چکے ہیں اور شاید آئندہ ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہو، خاص طور سے ان کے آمرانہ طرز عمل سے لوگوں کو کافی مایوسی ہوئی ہے۔

بقیہ: چیچن مجاہدین

دوسری اہم بات یہ ہے کہ یلتسن اس فوجی کارروائی کے ذریعہ چیچن آزادی پسندوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ آئندہ ایسی کسی کارروائی کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔ لہذا وہ یرغمال بنانے کے ارادوں سے باز رہیں۔ اگر یلتسن کی نیت یہ تھی تو انہیں کافی مایوسی ہوگی۔ غیر جانبدار صحافیوں کے ذریعہ چیچن حریت پسندوں کے بارے میں جو اطلاعات ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ آزادی کی جنگ کو ہر قیمت پر جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

یلتسن کا سیاسی جوا بھی ناکام ہوتا نظر آ رہا ہے۔ تازہ اطلاعات کے مطابق رات کے اندھیروں میں گاؤں میں گھرے ہوئے گوریلاؤں پر سے دباؤ کو کم کرنے کے لئے کئی چھوٹے چھوٹے چیچن دستوں نے اچانک محاصرہ کر کے حملہ کرنے والی روسی فوج پر دھاوا بول دیا۔ روسی ایسے کسی حملے کی امید نہیں کر رہے تھے۔ چنانچہ انہیں سنبھلنے میں کئی گھنٹے لگ گئے اور ان کی صفوں میں کافی انتشار بھی پھیل گیا۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھا کر بہت سے گوریلا بعض یرغمالوں کے ساتھ گاؤں سے روسیوں کا محاصرہ توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ گوریلاؤں کے لیڈر سلمان رادوئیف کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اگر فرار ہونے والوں میں کہیں وہ بھی شامل ہوئے تو یہ نہ صرف روسی فوج کی زبردست شکست ہوگی بلکہ صدر یلتسن کے سیاسی مستقبل کے لئے بھی بہت خطرناک ثابت ہوگی۔

انسانی شخصیت کی تعمیر کی خشت اول ماں کے ہاتھوں رکھی جاتی ہے

والدین کی آغوش پورے معاشرے کی تعمیر و تشکیل کرتی ہے

تحریر: س احمد

انسان کی شخصیت کی تعمیر کی خشت اول ماں کے ہاتھوں رکھی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داریاں حد درجہ اہم ہیں جن سے محض خوراک اور لباس فراہم کر کے عہدہ برآ نہیں ہوا جاسکتا۔ ماں اور بچہ لازم و ملزوم ہیں اور ماں کا نام پہلے اس لئے آتا ہے جیسا کہ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بچہ باپ کی آواز سے اس وقت مانوس ہونا شروع کرتا ہے جب وہ تین ماہ کا ہو چکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ گھر کے اندر باپ یا دیگر افراد کے مقابلے میں ماں کا کردار زیادہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کا ربط بچے کے ساتھ زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ گویا کہ مدرسہ جانے کے قابل ہونے کی عمر تک کوئی بچہ اپنی ماں کے اخلاق و اطوار کو اپنے اندر پوری طرح جذب کرتا رہتا ہے۔ ماں اگر اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل پیرا ہے اور اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتی ہے تو بچہ بھی ان باتوں کا اثر قبول کرنے لگتا ہے۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس مرحلے سے نہ صرف انسان کی بلکہ ایک مسلمان فرد کی شخصیت کی تشکیل و تعمیر کا آغاز بھی ہوتا ہے۔ ایک ایسا فرد جس کا ایمان و ارادہ پختہ ہو اور جو مسلم خاندان یا معاشرے کی ایک مضبوط کڑی ثابت ہو۔

عمر کا وہ مرحلہ جو مدرسہ جانے سے پہلے کا ہے خاصا نازک ہوتا ہے۔ بعض والدین کا رویہ اس مرحلے میں بچوں کے تئیں افسوسناک حد تک بے نیازانہ ہوتا ہے خصوصا متمول طبقے سے

تعلق رکھنے والے والدین کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ بچوں کو کھانے پینے کی عمدہ چیزیں اور کھلونے وغیرہ دے کر ان سے الگ ہو جائیے تو اس میں وہ منہمک رہیں گے اور ماں باپ کی کمی پوری کرنے کے لئے بچوں کے پاس نوکر اور آیا کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہوں نے اپنے فرض کی تکمیل کر دی تو یہ ان کی خام خیالی ہے اور اس طریقہ کار کا بچوں کے ذہن پر کوئی صحت مند اثر مرتب نہیں ہوتا۔

یہاں ایک اور رسم بد کی طرف اشارہ کر دینا برمحل ہوگا کہ بعض مرد سمجھتے ہیں کہ بچے کی تربیت خالصتا ماں کی ذمہ داری ہے یا اسکول کی اور جو حضرات یہ احساس رکھتے ہیں کہ اس ذمہ داری میں مردوں کو بھی برابر کا شریک رہنا چاہئے وہ بھی اپنی خارجی مصروفیات کا عذر پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اپنے دن بھر کا کام ختم کر کے گھر میں داخل ہوتے ہیں تو گھر کے کسی کونے میں بیوی بچوں سے الگ بیٹھ رہتے ہیں اور اس حقیقت سے بے خبر رہتے ہیں کہ وہ اپنے اس عمل سے اپنی اولاد کی بربادی کا سامان کر رہے ہیں۔ اس بات کا منفی اثر ان کے ذہن پر یہ پڑے گا کہ باپ اور بچوں میں ذہنی قربت نہیں پیدا ہو پائے گی۔ وہ اپنے احساسات و جذبات کا اظہار اس شخص سے بھی نہیں کر پائیں گے جو بظاہر ان سے قریب ترین ہے۔
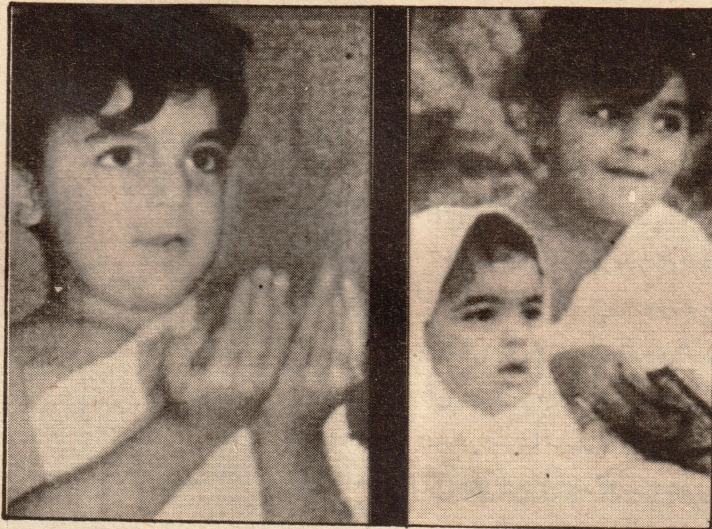
مردوں کی طرف سے صرف ماں یا اسکول کو بچے کی تربیت کا ذمہ دار سمجھنے کا رویہ سماجی طور پر مستحسن سمجھا جاتا ہو تو یہ الگ بات ہے لیکن اس کا نہ تو کوئی شرعی جواز ہے اور نہ ہی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ہونا یہ چاہئے کہ باپ بچے کی عمر کے دوسرے سال سے ہی وقت نکال کر اس کے ساتھ کھیل کود میں حصہ لے اس کی حرکتوں کی نقل کرے تاکہ بچہ اس سے مانوس ہوسکے۔ یہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہمیں پیش نظر رکھنا چاہئے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔ قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے دوران اپنے نواسے کو اٹھائے ہوئے تھے۔ قیام کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کو اٹھا لیتے اور سجدہ میں جاتے ہوئے اسے ایک طرف بٹھا دیتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نواسوں حسن اور حسین رضی اللہ تعالی عنہم سے ہنسی مذاق بھی فرماتے تھے اور کچھ وقت ان کے پاس بیٹھ کر گزارتے تھے۔

اسکول جانے کی عمر سے قبل یا اس کے فورا بعد کے مرحلے میں بچے کی ذہنی تربیت میں ایک مرحلہ وہ آتا ہے جب خاندان میں ایک اور بچے کا اضافہ ہو جائے۔ اس موقع پر باپ کو ایک اہم ذمہ داری نبھانی ہوتی ہے۔ جو بچہ پہلے سے شیر خواری کے مرحلے میں ہے یا اس سے ابھی نکلا ہے اور اب حرف شناسی کے قابل ہو چکا ہے لیکن ماں باپ کی توجہ کا ہنوز اسی قدر محتاج ہے اچانک اسے یہ احساس ہوسکتا ہے کہ ابھی تک جو توجہ اسے ملتی رہی ہے اس میں کمی واقع ہونے لگی ہے۔ باپ کا کام اسی احساس محرومی کو سنبھالا دینا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ باپ پہلے بچے کو زیادہ وقت دے اس کی مرغوب چیزوں اور باتوں کی طرف زیادہ دھیان دے اور اس بچے سے اپنے ربط و تعلق کو مزید گہرا کرے تاکہ ماں جو نومولود کی دیکھ ریکھ میں مصروف ہو گئی ہے اور پہلے بچے کے لئے نسبتا کم وقت نکال پا رہی ہے اس کی کسی قدر تلافی ہوسکے۔ •

شریعت کے ساتھ اس سے بھونڈا مذاق اور کیا ہوسکتا ہے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال:— میرے نانا کے نام ذاتی جائداد تھی۔ ۱۹۲۹ء کے سروے میں بھی ان کے نام کا اندراج ہے۔ ان کے انتقال (۱۹۳۵ء) کے بعد ان کی ذاتی جائداد میری نانی کے نام آنا فانا میونسپلٹی کے ذریعے ٹرانسفر کر دی گئی اور میونسپلٹی میں میری نانی کے نام کا اندراج بھی ہو گیا۔ ٹیکس وغیرہ بھی انہی کے نام پر دیا جارہا ہے۔ میری نانی کا انتقال ۱۹۷۰ء میں ہو گیا۔ میرے نانا کے تین لڑکے تھے اور ایک لڑکی۔ لڑکی ۱۹۶۹ء میں فوت کر گئیں اور لڑکے بالترتیب ۱۹۷۱ء، ۱۹۷۳ء اور ۱۹۷۵ء میں انتقال کر گئے۔

برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا لڑکی مجوب ہو گئی اور اگر ہاں تو کیسے جب کہ جائداد نانا کے نام سے تھی۔ بعد میں اسے تگڑم یا کسی سبب (نیلامی) سے نانی کے نام منتقل کر دیا گیا۔ ایسی صورت میں لڑکی کے وارثان کی جانب سے کیا گیا حقیقت کا دعوی باطل ہے؟

م۔ب (رانچی)

جواب:— اس معاملے میں مجوب الارث کی بحث کو بے سبب چھیڑا گیا ہے۔ خط کے مضمون سے جو صورت حال تشکیل پاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص جس کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا اپنے پیچھے کچھ "ذاتی جائداد" چھوڑ گیا۔ پسماندگان میں اس کی بیوی تین لڑکے اور ایک لڑکی تھے یعنی اس وقت سائل کے تین ماموں اور اس کی ماں تھی جس کا انتقال سب سے پہلے ۱۹۶۵ء میں ہوا اور تینوں ماموؤں کا انتقال ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۵ء کے دوران ہوا۔ نانا نے اور ان کی اولاد نے کتنی عمر پائی اس کا کوئی ذکر خط میں نہیں ہے لیکن نانا کے انتقال کے سال کی بنیاد پر یہ قیاس قائم کیا جاسکتا ہے کہ ان کی لڑکی کا انتقال ۳۰ سے اوپر اور لڑکوں کا انتقال چالیس کی عمر سے تجاوز کر جانے پر ہوا۔ ۱۹۳۵ء میں نانا کے انتقال کے بعد سے ۱۹۶۵ء اور پھر ۱۹۷۵ء تک ان چاروں میں سے کسی کی طرف سے یہ کارروائی نہیں کی گئی کہ جائداد کو اپنے نام منتقل کرالیں۔ جہاں تک نانی کے نام جائداد ہو جانے کا تعلق ہے تو جب ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو جیسا کہ سائل خود معترف ہے کہ وہ نانا کی "ذاتی جائداد" تھی۔ اس کا حقدار مرحوم کی بیوی کے علاوہ کون ہوسکتا تھا۔ سائل کی ماں کا انتقال نانی سے دس سال پہلے ہوا اس وقت بھی جائداد کی تقسیم کے مسئلے کو اٹھایا جاسکتا تھا جو شاید نہیں کیا گیا۔ جو صورت حال بیان کی گئی ہے اس کی نوعیت خالصتا قانونی ہے۔

> **سائل کی ماں کا انتقال نانی سے دس سال پہلے ہوا اس وقت بھی جائداد کی تقسیم کے مسئلے کو اٹھایا جاسکتا تھا جو شاید نہیں کیا گیا۔ جو صورت حال بیان کی گئی ہے اس کی نوعیت خالصتا قانونی ہے**

سوال:— جون ۱۹۹۲ء میں میری شادی ہونے کے چند ہی ماہ بعد میری بیوی نے مجھے ورغلانا شروع کیا کہ اس کے والد اپنے گھر میں ایک کمرہ ہمیں دے دیں گے اور ہم وہیں چل کر رہیں۔ مجھ پر ضعیف ماں اور چھوٹے بھائی بہنوں کی ذمہ داریاں ہیں اس لئے میں نے سسرال میں رہائش سے صاف انکار کر دیا۔ ایک دن وہ اپنے میکے یہ کہہ کر گئی کہ شام تک واپس آجائے گی۔ دوسرے روز بھی اس کی واپسی نہیں ہوئی تو مجھے تشویش ہوئی اور میں خود اپنی سسرال گیا تو بیوی نے مجھ سے کہا کہ وہ میری والدہ کے ساتھ نہیں رہے گی اور یہ کہ اگر مجھے سسرال میں رہنا ہو تو رہوں۔ اس کے بعد ڈیڑھ ماہ گزرا لیکن وہ واپس نہ آئی۔ میں نے تھانے میں اس واقعہ کی رپورٹ کی اور معاملہ بڑھتا گیا میں نے کہا کہ میں اپنی ماں اور بھائی بہنوں کو نہیں چھوڑ سکتا تو اس نے کہا کہ پھر مجھے چھوڑنا پڑے گا۔ اس دوران ایک لڑکی کی ولادت بھی ہو گئی۔ جب میں نے بیوی پر اپنے گھر آنے کے لئے زور ڈالا تو اس نے اور اس کی ماں نے بیک زبان کہا کہ ایک بیٹی ہو جانے کے باوجود ہمارے یہاں دوسرا رشتہ آرہا ہے یعنی کہ اگر مجھے سسرال میں رہنا منظور نہیں ہے تو نہ سہی وہ اپنی بیٹی کی شادی کہیں اور کر دیں گے۔ اس کے بعد ایک پنچایت بلائی گئی جس میں یہ "مزعوم شرعی" فیصلہ ہوا کہ میں ایک گھر لے کر بیوی کو رکھوں گا۔ جب تک گھر نہیں ملتا بیوی اپنے ماں باپ کے ساتھ رہے گی اور اس دوران میں چار سو روپیہ ماہوار بطور خرچ اسے اپنے ہاتھ سے لے جاکر دیتا رہوں۔ اگر چار ماہ کے اندر گھر حاصل کرنے میں مجھے کامیابی نہ ہوئی تو پھر مجھے بیوی کے ساتھ اس کے والدین کے گھر میں ہی رہنا پڑے گا۔ میں نے ایک گھر کا انتظام کیا بھی تو وہ بیوی کے گھر والوں کو پسند نہیں آیا۔ آخر مجھے سسرال میں ہی رہنے پر مجبور کیا گیا۔ جہاں ایک کمرہ ہمیں الگ دیا گیا۔ کھانا وغیرہ بھی ہمارا الگ ہی پکتا۔ اس کے باوجود بات بے بات سسرال والوں کی طرف سے جھگڑا کیا جاتا۔ ایک روز میں اپنی بیوی سے بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا کہ اس کے گھر والے آکر مجھے مارنے لگے۔ میں نے تھانے میں واقعے کی رپورٹ لکھوائی اور اپنے گھر آکر رہنے لگا۔ اس کے بعد بیوی نے سیکشن سی آر پی سی ۱۲۵ کے تحت خرچے کا مقدمہ بھی دائر کیا اور جہیز کے

باقی صـ۱۵ پر

تمباکو کی کاشت یا موت کی سوداگری

تمباکونوشی کا کینسر ہر سال تیس لاکھ افراد کو موت کی نیند سلا دیتا ہے

اس میں شک نہیں کہ تمباکو کسی ملک کے لئے زرمبادلہ کمانے کا ایک اہم ذریعہ ہے لیکن درحقیقت یہ زرمبادلہ۔ لوگوں کی صحت اور مسرت کو داغدار کرکے ہی حاصل ہوتا ہے۔ دہلی ہائی کورٹ کی طرف سے پبلک مقامات پر تمباکونوشی کو ممنوع قرار دینے کے سلسلے میں جاری کردہ نوٹس نے تمباکو مخالف مہم میں پھر سے جان ڈال دی ہے۔ اس نوٹس سے تقویت حاصل کرتے ہوئے دہلی میڈیکل ایسوسی ایشن کے ایک عہدیدار نے مفاد عامہ کی ایک پٹیشن بھی داخل کردی ہے۔

عالمی تنظیم صحت کی ایک رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں ہر سال چھ ملین کینسر کے نئے معاملات ڈاکٹروں کے پاس آتے ہیں اور کینسر سے واقع ہونے والی مجموعی اموات میں دو تہائی لوگ ترقی پذیر ممالک کے ہوتے ہیں۔ سنٹرل ہیلتھ ایجوکیشن بیورو کا خیال ہے کہ ہر سال دنیا میں تیس لاکھ افراد تمباکو نوشی کے کینسر سے ہلاک ہوتے ہیں جس سے ایک تہائی تعداد ہندوستان کی ہے جو حلق، آنت، پوریزی بلیڈر، ہائی بلڈ پریشر اور گنگرین کا شکار ہوتے ہیں۔

۱۹۹۲ میں جب ہندوستان کی آبادی ۸۶۲ ملین تھی ۶۴۴۰۰ نئے معاملات کینسر کے رپورٹ ہوئے جن میں ۲۱۸۱۰۰ تمباکو نوشی سے متعلق تھے۔ اس طرح کینسر زدہ مردوں کی مجموعی تعداد میں ۴۸ فیصدی تمباکو نوش تھے۔ منہ کا کینسر ہر سال ۶۳۰۰۰ کو اپنا نشانہ بناتا ہے اور اسی طرح حلقوم کے کینسر کی گرفت میں ۶۰۰۰۰ افراد ہر سال آجاتے ہیں۔ ہارٹ اٹیک میں ہلاک ہونے والوں کی سالانہ شرح ۲۰۰۰۰ افراد ہے۔ اور یہ تعداد اضافے کی طرف مائل ہے کیونکہ مریض اپنی تمباکو نوشی کی عادت کو ترک نہیں کرپاتا۔

ٹاٹا میموریل سنٹر کے دائر کردہ ڈاکٹر ہرفل ڈیسائی کا کہنا ہے کہ ہندوستان میں کینسر کا مرض ۶۰ فیصد افراد کو تمباکو نوشی اور غیر موزوں خوراک سے لاحق ہوتا ہے۔ عالمی تنظیم صحت کے مطابق دنیا ۶ ٹریلین سگریٹ ہر سال پی جاتی ہے اور ترقی پذیر ممالک میں تمباکو نوشوں کی تعداد ۴۱ فیصد مرد اور ۲۱ فیصد عورتوں پر بالترتیب مشتمل ہے جب کہ ترقی پذیر ممالک مثلاً امریکہ

اور برطانیہ میں یہ تعداد اوسط ۴۲ فیصد سے گھٹ کر ۲۶ فیصد تک آگئی ہے۔ ۱۹۹۰ء ہندوستان کی ایک تہائی سے زائد آبادی سگریٹ نوشوں پر مشتمل تھی اور یہی وجہ ہے کہ یہاں پر زیادہ تر اموات پھیپھڑے کے کینسر سے ہوتی ہیں۔ ۱۴۱ ملین مرد اور ۷۲ ملین عورتیں تمباکو خوری کی عادت میں مبتلا پائی گئیں۔ اس اعتبار سے چین کے بعد تمباکو خوری میں ہندوستان کو سلور میڈل کا مستحق قرار دیا گیا۔

سگریٹ کے دھویں میں شامل چار سو اجزاء میں چالیس قاتلانہ اثر رکھتے ہیں نکوٹین کی ایک بوند اگر انجکشن کے ذریعے انسانی جسم کے اندر داخل کردی جائے تو اس کی ہلاکت کے لئے کافی ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمباکو نوشی یا تمباکو خوری کینسر کے ساتھ دیگر ۲۳ امراض پیدا کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

پان، کھینی، گٹکا، پان مسالہ وغیرہ منہ کے کینسر کا سبب بن سکتے ہیں۔ اڑیسہ کے ساحلی علاقے میں جہاں چونے کے ساتھ پان چبانے کا رواج ہے بیشتر لوگوں کو منہ کے دہانے کے کینسر میں مبتلا پایا گیا ہے۔ اسی طرح بہت سے قبائلی علاقوں میں بھی کینسر کا سبب پان ہی قرار پایا ہے۔ بلکہ منہ کے دہانے کے کینسر کے مجموعی کیسوں میں پچاس فیصد اڑیسہ سے ہی رپورٹ ہوئے ہیں۔

تمباکو نوشی پر ایک سروے رپوٹ شاہد ہے کہ تمباکو نوشوں میں نامردی کا اندیشہ پچاس فیصد تک ہوتا ہے۔ آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز اور روٹیری کینسر ہاسپٹل میں ہر سال پچاس ہزار کینسر کے مریض داخل ہوتے ہیں اور تقریباً روزانہ ۵۵۰ نئے کیس تمباکو نوشوں کے آتے ہیں۔ موجودہ صورت حال کے پیش نظر مرکز اس مسئلے سے کیوں چشم پوشی برت رہا ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی حالانکہ جن صوبوں میں انسدادی تدابیر کی گئی ہیں ان کے نتائج خاصے مثبت رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ستمبر ۱۹۹۴ء میں مغربی بنگال میں پبلک اسموکنگ پر پابندی اور دس فیصد ٹیکس کے اضافے پر سگریٹ کی فروخت میں کافی کمی کردی

تمباکو مخالف قانون کی طرف سے مرکزی حکومت اس بناء پر بے اعتنائی برت رہی ہے کہ ابھی تک اس کے سامنے کوئی ایسی راہ نظر نہیں آرہی ہے کہ ۵۵، لاکھ بیڑی مزدوروں اور ۶۰ لاکھ تمباکو اگانے والوں کو متبادل روزگار دلاسکے جو تمباکو کی کاشت بند ہونے کے سبب بے کار ہوجائیں گے۔ ●

مقناطیس کا یہ چھوٹا سا ٹکڑا آپ کو بڑے بڑے امراض سے نجات دلا دیتا ہے

بایو میگنیٹزم اس دور میں ایک ترقی یافتہ طبی سائنس کی حیثیت اختیار کرتی جارہی ہے۔ انسانی جسم پر مقناطیس کے اثرات کا ثبوت قدیم مصری تہذیب کے زمانے سے ملتا ہے تاہم بعض لوگوں کو یہ تسلیم کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ مقناطیس کا چھوٹا سا ٹکڑا حیرت انگیز کارنامے دکھا سکتا ہے۔ بایولوجیکل مقناطیسی کرشمے کا انکشاف سب سے پہلے مشہور سائنسداں لوئس پاسچر نے ۱۸۶۲ء میں کیا تھا جب اس نے یہ مشاہدہ کیا کہ کسی پھل کو گلانے کے لئے اس کے پاس رکھا ہوا مقناطیس کا ٹکڑا گلانے کے عمل کو تیز کردیتا ہے۔ گزشتہ پچاس برسوں میں دنیا بھر میں ہونے والی تحقیقات نے انسانی جسم پر مقناطیسی فیلڈ کے تجربے کئے ہیں۔ اور یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اسے کام میں لاکر انسانی جسم کو متعدد امراض سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔

زمین کے اردگرد خود ہی ایک وسیع قدرتی مقناطیسی فیلڈ اور ہمارے جسم کے بہت سے خلئے پیرامیگنیٹک نوعیت کے ہیں اسی لئے وہ مقناطیسیت کا اثر قبول کرتا ہے۔ ایک برطانوی سائنسداں روجر کاگ ہل کی تحقیق ہے کہ خلیوں میں موجود فولادی ذرات ناگزیر طور پر مقناطیسیت کا اثر قبول کرتے ہیں۔ جب کوئی مقناطیس جسم کے کسی حصے پر رکھا جاتا ہے تو اس حصے میں دوڑتا ہوا خون اپنی پیرا مقناطیسی فیلڈ بدل دیتا ہے جو اس کے عوض اس خون کی آکسیجن برداری کی صلاحیت میں بہتری پیدا کرتا ہے۔

آج کل چونکہ ہم کنکریٹ کے جنگل میں رہنے کے عادی ہوچکے ہیں اس لئے ہم ایک طرح سے زمین کی قدرتی مقناطیسیت سے الگ تھلگ ہوگئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے برقی ساز و سامان مثلاً ٹی وی، ریڈیو، مائیکرو ویو چولھوں وغیرہ سے پیدا ہونے والی برقی آلودگی کے سبب انسانی جسم اپنا مقناطیسی توازن کھوچکا ہے۔ اسی لئے بایو میگنیٹزم کے طریقہ علاج کے ماہرین کا خیال ہے کہ خون میں آکسیجن کی فراہمی کی شرح میں اضافہ، خلیوں تک تغذیہ کی معقول فراہمی جسمانی نظام کی قوت مدافعت کو بحال رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں مقناطیس کے دو سرے ہوتے ہیں شمالی سرا اور جنوبی سرا ایک کھینچتا ہے دوسرا دھکیلتا ہے۔ یہی قطبیت امراض کے علاج میں کام کرتی ہے۔ ہسٹیریا کی مریضہ میں شمالی قطب Utervs کے اوپر اور دوسرے مقناطیس کا جنوبی قطب جسم کے نچلے حصے کی طرف رکھا جاتا ہے۔ ایسا کرنے سے Uteries کی حرکات کو کنٹرول کرنے والی Nervous Force کو مناسب جگہوں پر ہٹایا جاسکے گا۔ بے خوابی کی شکایت میں بھی مقناطیسی علاج آزمایا گیا ہے۔ دونوں بھووں کے درمیان سوتے وقت دس منٹ کے لئے رکھنے سے ایک دو دن بعد نیند آنے لگتی ہے۔ دانت دکھتے رہنے کی حالت میں درد والے دانت کے رخ والے گال پر شمالی قطب کی طرف ۱۵ سے بیس منٹ تک مقناطیس لگائے رہیں تو درد جاتا رہے گا۔ سر کے علاوہ جسم کے کسی حصے پر بھی مقناطیس جتنی دیر چاہے رکھ سکتے ہیں۔
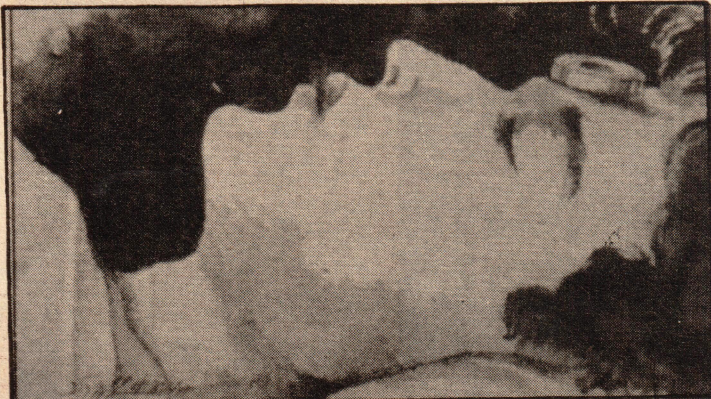
اب کینسر جیسے موذی مرض اور دائمی امراض کا علاج بھی مقناطیس کے ذریعے ہونے لگا ہے۔ نارتھ امریکن ایوی ایشن کارپوریشن سے وابستہ ڈاکٹر ایس الگزنڈر کے مشاہدے کے مطابق جب چوہوں پر تقریباً چھ ہفتے تک مقناطیس لگایا گیا تو ان کے اندر کینسر کے اثرات زائل ہوگئے اور ان کی زندگی کی توقع میں ۴۵ فیصد کا اضافہ ہوگیا۔ مقناطیسی علاج میں Osterpathy اور اکوپنکچر دونوں شامل ہیں کیونکہ ان دونوں کا ہی تعلق قوت اور جسمانی ساخت میں توازن پیدا کرنا ہے۔ ہلکی طاقت کے مقناطیس لگاکر نظام کے اندر قوت میں توازن لایا جاتا ہے اور ساختیاتی نظام کو Realign کیا جاتا ہے۔ یہ علاج پندرہ منٹ کے وقفے کا ہوتا ہے اور درد یا مرض کی شدت کے مطابق معالجاتی نشستوں کی تعداد متعین کی جاتی ہے۔

مقناطیسی علاج کے بڑھتے ہوئے استعمال اور طریقوں کے پیش نظر اس میں کافی جدتیں ہوچکی ہیں جنہیں ساکت و متحرک کے زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

مقناطیسی مالش کے مراکز بھی اب کھلنے لگے ہیں۔ جاپان میں برقی مقناطیسی بستر بھی بن گئے ہیں جن کا استعمال طبی مشوروں کے مطابق اگر ہے تو زخم کے اندمال، ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے، تشنج کم کرنے اور بے خوابی دور کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

مقناطیسی علاج کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اور اس کے ذریعے جسم کی قدرتی قوت اور چستی کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایسی معمولی چیز میں مختلف عارضوں کو دور کرنے کی صلاحیت پر ابھی یقین نہ آئے لیکن آئندہ مزید سائنسی تحقیقات اس کے پوشیدہ رازوں پر سے مزید پردہ اٹھا سکیں گی۔ ●

اس دن ایسا محسوس ہوا کہ

یہودی اپنی اجتماعی قبروں سے زندہ ہو کر نکل رہے ہیں

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہو گا۔

نام کتاب: میموائرس آف اے جیوش اکسٹریمسٹ این امیریکن جرنی
مصنف: یوسی کلین حلیوی
ناشر: لٹل براؤن
صفحات: ۲۴۸
قیمت: ۲۲،۹۵ ڈالر
مبصر: جان یسما

اپنی حالیہ تصنیف "میموائرس آف جیوش اکسٹریمسٹ این امیریکن جرنی" میں یوسی کلین نے بروکلین میں واقع JewishDefence League کے اطراف و جوانب میں اپنی دہشت گردانہ سرگرمیوں اور دو بدو معرکوں کی دل دہلادینے والی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی دہشت گرد کے ذہن کا مطالعہ کرنا چاہے تو اسے یہ پر از معلومات کتاب ضرور پڑھنی چاہیے جو اپنی جگہ دلچسپی اور حیرت دونوں کا امتزاج ہے۔ حلیوی اور بروکلین کے دیگر بچوں نے اسکول کے زمانے میں اپنے والدین سے ہالوکاسٹ کے واقعات سن رکھے تھے لیکن ان کی پرورش جنگ کے بعد کے امریکہ میں ہوئی ہے جہاں انہیں اگر بامعیار نہیں تو قابل برداشت ضرور سمجھا گیا کیونکہ امریکہ میں سامیت مخالف رجحانات پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں اگرچہ امریکیوں نے حلیوی اور ان کے حامیوں کو اپنے مقصد کے لئے جدوجہد کرنے کی آزادی بھی دے دی۔ اور وہ مقصد تھا عزت و وقار کا حصول۔ جب بروکلین کی سڑکوں پر ان کا تمسخر نہ اڑایا جائے جب منچلے اور آوارہ گرد ان کا راستہ نہ روکیں۔

حلیوی کا خیال ہے کہ جے ڈی ایل نے ایک طرف یہودی تاریخ کے ایک خطرناک گوشے اور امریکی تفریح گاہ دونوں میں قدم رکھنے کی بیک وقت دعوت دی۔ جیوش ڈیفنس لیگ اپنی نوعیت کی مکمل امریکی تنظیم ہے جس نے بڑے صبر و سکون سے یہودیوں کے تئیں امریکی رواداری کے مظاہر کو پرکھا ہے۔ جنگ کے بعد جوان ہونے والے حلیوی جیسے افراد اس وقت ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے جب سوویت یونین نے ۳۰ لاکھ یہودیوں کو قید کر لیا بلکہ انہوں نے پوری تندہی سے سوویت مخالف تحریک چلائی، دھرنے دئے اور سوویت سفارت کاروں کو کھلے عام ڈرایا دھمکایا بلکہ میٹروپولیٹن مجسٹریٹ کے دفتر کو بم سے اڑانے کی دھمکی بھی ٹیلیفون پر دی۔
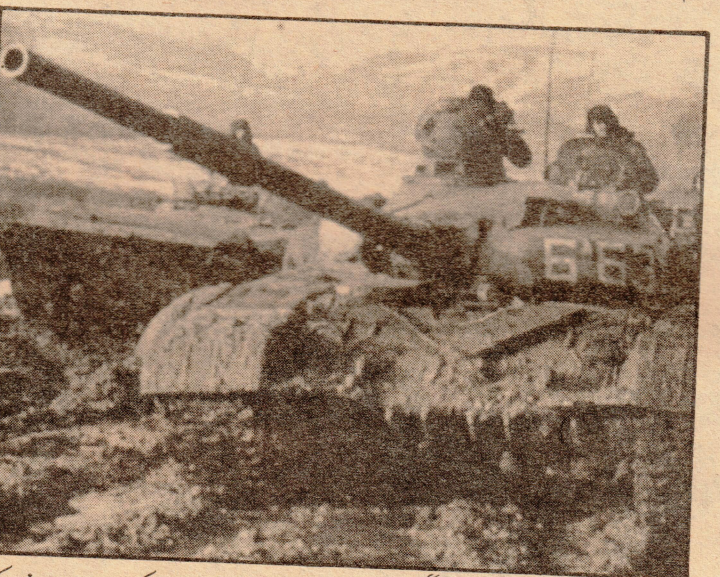
یہ حلیوی اور ان کے حامیوں کا گروہ ہی تھا جس نے ۱۹۶۰ء کی دہائی میں اپنے انتھک احتجاجات اور تحریکوں سے امریکہ اور سوویت یونین کے تعلقات کو اس قدر مکدر کر دیا کہ واشنگٹن اور ماسکو میں سے کوئی بھی تیس لاکھ یہودیوں کے مسئلے کو نظرانداز نہ کر سکا۔ ایک موقع پر حلیوی نے خود ایک دھرنے کی قیادت کی۔ حالانکہ اس میں خاصا وقت لگا لیکن رفتہ رفتہ امریکی یہودی تنظیم اور امریکی کانگریس دونوں ہی جے ڈی ایل کے مقاصد کے فروغ کے لئے آگے آئیں۔

جنگ کے بعد کے دور کی امریکی یہودی نسل نے اسرائیلی ریاست کے وجود میں آنے کے ساتھ ساتھ آنکھ کھولی ہے۔ یہودیوں کے انتہا پسندانہ رجحان کو پروان چڑھانے میں اس تاریخی موڑ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس سے تقویت حاصل کر کے یہودیت نے زور آور صیہونیت کی شکل اختیار کر لی۔ حلیوی کو ۱۹۶۷ء کی وہ گرمیاں یاد ہیں جب یہودیوں کی مظلومیت اور آہ وزاری ناقابل انکار فتح میں تبدیل ہو گئی اور مغربی ایشیا میں اسرائیل نے صرف چھ دنوں کے اندر حیرت ناک طور پر جنگ جیت لی۔ اس دن حلیوی کو ایسا لگا کہ یہودی اپنی اجتماعی قبروں سے زندہ ہو کر پوری توانائی کے ساتھ نکل رہے ہیں۔ میناچم بیگن اور زیوجیبو تنسکی جو برطانیہ مخالف تنظیم Irgun اور قاتلوں کے گروہ SternGang کے سرغنہ تھے حلیوی کی نظر میں اصل ہیرو کی حیثیت رکھتے تھے۔

کاہان اور دیگر انتہا پسندوں نے ان کی مثال سے فائدہ اٹھایا۔ کوئی عمل اتنا انتہا پسندانہ نہیں ہوتا تھا جو یہودیوں کے حق میں مفید اور بہتری کا ذریعہ بن سکے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ۴ نومبر ۱۹۹۵ء کو اسرائیلی وزیراعظم کو گولی کا نشانہ بنانے والے اسرائیلی اسلحہ بردار کا تعلق کاہان کے تربیت یافتہ عرب دشمن گروہ سے بتایا جا رہا ہے۔ لیکن تمام انتہا پسند اس انتہائی اقدام تک نہیں پہنچتے۔ وقت کے ساتھ کاہان اور اس کے حواریوں کے کردار کی حقیقت حلیوی پر آشکارا ہوتی گئی کہ وہ بے شرمی کی حد تک خود غرض تھے جنہیں اپنی شہرت و آسائش سب سے زیادہ عزیز تھی۔ یہی نہیں بلکہ جے ڈی ایل کے بہت سے افراد سیاہ فاموں، عربوں اور دیگر اقلیتوں کے

باقی صفحہ ۶ پر

آپ کی الجھنیں

آپ یہ نہ بھول لیں کہ

اللہ احسان کرنے والے کا اجر ضائع نہیں کرتا

اگر آپ کسی الجھن میں مبتلا ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ نہ لینے کی پوزیشن میں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ (ادارہ)

سوال: — ہم کئی وارثان میں ترکے کے بارے میں تنازعہ ہے جس پر مشورہ درکار ہے؟

(الف) میرے والد جن کا چند برس قبل انتقال ہو چکا ان کے نام پر ہمارے ایک بھائی نے ڈیڑھ لاکھ روپے کی کار خریدی تھی۔ والد کی حیات میں وہ گاڑی بھائیوں کے استعمال میں آتی رہی۔ والد کے انتقال کے بعد وارثین کا مطالبہ ہوا کہ وہ گاڑی بھائی کے حساب میں رکھی جائے اور وہی قیمت محسوب ہو جس پر وہ خریدی گئی تھی جب کہ اس بھائی کا کہنا یہ تھا کہ اس کی موجودہ قیمت لگائی جائے حالانکہ وہ گاڑی بھائی نے والد کے انتقال سے پہلے ہی اپنے نام ٹرانسفر کروالی تھی۔

(ب) ایک بھائی نے یہ دعوی کیا کہ ہماری والدہ کو والد نے ایک لاکھ روپے دئے تھے اور دو غیر شادی شدہ بہنوں کو دو لاکھ روپے دینے کی وصیت کی تھی، یہ ساری رقم بھائی نے بینک میں جمع کروا دی کسی دوسرے کو اس میں سے کچھ لینے سے روک دیا حالانکہ وہ وصیت زبانی ہی تھی اس کی کوئی تحریری شکل نہیں ہے۔

(ج) بعض ورثاء والد کی بنائی ہوئی دو عمارتوں میں رہتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہیں جو ان عمارتوں سے باہر اپنے خرچ پر رہتے ہیں تو کیا اس وارث کو والد کی بنائی عمارت میں رہائش رکھنے والے ورثاء سے اجرت طلب کرنے کا حق ہے۔

(د) والد نے دوکان پر اپنے ساتھ بیٹھنے والوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ روپے دئے۔ سب کو یہ رقم مل گئی لیکن ایک بھائی جو سب سے زیادہ والد کے ساتھ رہا اور اس وقت عمر کے ابتدائی حصے میں تھا اسے کچھ بھی نہیں ملا تو کیا وہ باقی بھائیوں سے اپنے حصے کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

جواب: — (الف) ورثاء میں سے ایک بھائی نے جو گاڑی والد کی زندگی میں خریدی تھی اور اس نے ایک اور بھائی نے جسے استعمال کیا وہ یا اس کی قیمت ان بھائیوں کے حساب میں شمار نہیں کی جائے گی کیونکہ کسی مال پر ترکے کا حکم اسی وقت آتا ہے جب والد فوت ہو جائے۔ لہٰذا والد کی موت سے قبل اس کی جو قیمت تھی وہ اس بھائی کی طرف نہیں لگے گی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس دن سے وہ گاڑی باقی افراد کی مرضی سے قانوناً اس کے نام سے ٹرانسفر ہوئی اس وقت جو قیمت گاڑی کی مقرر ہو وہی محسوب ہوگی۔

(ب) جہاں تک والدہ اور دو بہنوں کو دی جانے والی رقم کا سوال ہے تو اگر والد کی حیات میں وہ رقم ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ جاتی تو درست تھا لیکن والد کے انتقال کے بعد ایک بھائی کو حق نہیں تھا کہ دوسرے ورثاء سے مشورے کے بغیر وہ رقم نکال کر بینک میں جمع کرے۔ ورثاء کی رضامندی سے ہی اس کا نفاذ ہو سکتا تھا۔

(ج) والد کے انتقال کے بعد ان کی بنائی ہوئی دو عمارتیں ورثاء کی ملکیت تصور ہوں گی۔ جو ورثاء ان عمارتوں کے باہر رہائش رکھتے ہیں انہیں حق ہے کہ ان عمارتوں کی کرائے کی قیمت کے حساب سے اپنے حصے کا مطالبہ کریں

(د) یہاں ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا برمحل ہو گا کہ چونکہ سائل اور دیگر ورثاء ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں انہیں ایک دوسرے کے تئیں تسامح سے کام لینا چاہئے اور جو حقوق بنتے ہوں ان کی ادائیگی کرنی چاہئے جو اس ضمن میں احسان کرے گا اس کا اجر اللہ ضائع نہیں کرے گا۔ جہاں تک دوکان میں وقت دینے والے سب سے چھوٹے بھائی کو کوئی رقم نہ ملنے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی عمر کے ابتدائی مرحلے اور تعلیم کے بھی ابتدائی مرحلے میں تھا تو یہاں ہر بات پوری طرح واضح نہیں ہو پا رہی ہے۔ بظاہر وجہ یہ ہے کہ غیر پختہ شعور کے لڑکے کو دوکان چلانے کے لئے کسی بالغ شخص کی مدد اور تعاون کی ضرورت "یقیناً" پڑتی ہوگی اس لئے اسے اس رقم میں حصہ دار نہیں سمجھا گیا واللہ اعلم بالصواب۔

Invitation Price Rs. 5/-
1 - 15 February 1996
Volume : 2, Issue : 27

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018
Fax: (011) 6926030

یہ مٹھی بھر لوگ

لٹے پٹے، تہی دست اور بظاہر کمزور و ناتواں انسانوں کے اس مختصر سے گروہ کی بھی عجب شان ہے۔ ملک کے مختلف گوشوں سے شدید سردی کے اس موسم میں نہ جانے کون سی چیز انہیں پٹنہ لے آئی ہے۔ ان میں بوڑھے بھی ہیں اور نوجوان بھی، جدید دانشگاہوں کے فارغین بھی ہیں اور روایتی طرز کے سکہ بند علماء بھی۔ منقسم ہندوستان کی سرزمین نے اس سے پہلے شاید یہ منظر نہ دیکھا ہو جب امت کے مختلف گروہ اور مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان ایک مشترک درد کے ساتھ کچھ اس طرح غور و فکر میں منہمک ہوں کہ ان کی انفرادی اور گروہی شناخت کا پتہ لگانا مشکل ہو جائے۔

ملی پارلیامنٹ کے اجلاس میں ان دردمندان امت نے اس بات کا برملا عہد کیا ہے کہ ہم میں سے نہ کوئی سنی ہے اور نہ شیعہ۔ نہ کسی کو حنفی ہونے پر اصرار ہے اور نہ کسی کو شافعی ہونے پر، اب نہ ہم میں کوئی بریلوی ہے اور نہ کوئی دیوبندی۔ ہم اگر کچھ ہیں تو صرف اور صرف مسلمان۔ ہماری شناخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت سے عبارت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں لوٹ جانے اور فروعی مسائل کو بھلا دینے کے عمل نے آج اس چھوٹے سے گروہ کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار میں تبدیل کر دیا ہے۔

لیکن ذرا ٹھہریئے! پریشاں حال، کمزور اور مضطرب انسانوں کے اس مختصر سے اجتماع سے کفر کے ایوان کیوں لرزے جاتے ہیں؟ مٹھی بھر مسلمانوں کے اس اجلاس پر ملک بھر میں اتنا ہنگامہ کیوں ہے؟ آخر ان بے چاروں نے کون سا گناہ کیا ہے کہ قومی پریس میں ان کے خلاف واویلا مچا ہوا ہے۔ سیاسی پارٹیاں اور ان پارٹیوں کے سیاسی مسلمان ملی پارلیامنٹ کو مسلسل ملک دشمن باور کرانے پر تلے ہیں۔ ان حضرات نے یہی تو کہا ہے کہ قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے اور ایک مسلمان کی حیثیت سے قرآن کی موجودگی میں وہ کسی اور نظام حیات کو اپنے لئے منتخب نہیں کر سکتے۔ کیا یہ بیس کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کا عقیدہ نہیں؟ اگر ظلمت کی پچاس سالہ زندگی کے بعد امت کے بعض افراد پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی ہو کہ امت مسلمہ ہند رسول کی اطاعت سے نکل کر رفتہ رفتہ کفر کی رفاقت میں جا پڑی ہے اور یہ کہ امت کی سیاسی قیادت پر آج مختلف ناموں سے کفار و مشرکین قابض ہو گئے ہیں اور اس غیر اسلامی صورت حال کو بدل ڈالنے کے لئے مسلمانوں کا کوئی اجتماع منعقد کرتا ہو تو امت کے اس خالص اندرونی اور دینی مسئلے پر اغیار کو کیوں پریشانی لاحق ہوتی ہے۔ کیا اس ملک میں کسی تہذیبی گروہ کو اپنے تہذیبی اور روحانی منشور پر جمع کرنے کا حق اب باقی نہیں رہا ہے؟

رہے وہ سیاسی مسلمان جو امت مسلمہ پر ذلت کی موجودہ صورت حال کو قائم رکھنے میں پیش پیش ہیں تو انہیں خوب معلوم ہونا چاہئے کہ آخری رسول کی امت کو کفار و مشرکین کی سیاسی اتباع پر مجبور کرنا انتہائی شدید گناہ ہے کسی صاحب ایمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ زندگی کے کسی بھی گوشے میں کفار و مشرکین کی اتباع قبول کرلے۔

پٹنہ کے اجلاس میں کوئی نئی بات نہیں کہی گئی ہے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے گئے عہد کو تازہ کیا گیا ہے۔ مٹھی بھر انسانوں نے خدا اور رسول سے یہ عہد کیا ہے کہ ہم ہر قیمت پر سرزمین ہندوستان میں نظام انصاف قائم کریں گے اور آخری رسول کی امت کو کفر کی حاشیہ نشینی سے نکال کر پھر سے رسول کی قیادت میں مجتمع کریں گے۔

باقی صـ٦ پر